مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کو گذشتہ تین دن روزانہ بخار رہا۔ لیکن حضور باوجود علالت مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے نہرو رپورٹ کے متعلق مضمون ارقام فرماتے رہے۔ الحمد للہ آج (۹؍ اکتوبر) حضور کی طبیعت اچھی ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تصنیف کرنے کے لئے نظارت کے کام سے فارغ کیا گیا ہے۔ اور حضرت میاں شریف احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت مقرر ہوئے ہیں۔

آفیسر کمانڈنگ ۱۱/۱۵ ٹیری ٹوریل رجمنٹ انبالہ احمدیہ کمپنی ٹیری ٹوریل فورس میں بھرتی ہونے والے رنگروٹوں کے معائنہ کے لئے ۲۸؍ کو قادیان آئے۔

مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل ظفر وال اور ضلع سیالکوٹ کے متعدد مقامات کا تبلیغی دورہ کر کے واپس آ گئے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ کا نہرو رپورٹ پر تفصیلی تبصرہ

اس موضوع پر جن اصحاب نے حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ کے پہلے مضامین "الفضل" میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ان میں کیسے اہم اور ضروری معاملات کو وا انشگاف کیا گیا۔ اور مسلمانوں کو کیسی تباہ کن تجاویز سے کس عمدگی اور وضاحت سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس پرچہ میں اس سلسلہ مضمون کا ایک اور حصہ شائع ہوا ہے۔ جو پہلے سے بھی زیادہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ تمام مسلمانوں کو بغور اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

عورتوں کی عزت کی حفاظت کرو خواہ وہ تمہارے دشمنوں کی عورتیں ہوں

(از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ)

فرمودہ ۲۸ر ستمبر سنہ ۱۹۲۸ء

سُورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

مَیں نے اسی مقام پر چند ہفتے ہوئے ایک خطبہ پڑھا تھا۔ جس میں اس جھگڑے کے متعلق

ایک طریق فیصلہ

پیش کیا تھا۔ جو ہمارے اور ان احمدیوں کے درمیان ہے جن کا مرکز لاہور ہے۔ مجھے اس کے متعلق ان لوگوں کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ لوگ اس طریق فیصلہ پر آمادہ ہو گئے۔ اور کوئی ایسے منصف مل گئے۔ جو خدا کی خشیت اور انصاف وعدل کا مادہ رکھنے والے ہوں۔ تو یقیناً یہ طریق فیصلہ ہمارے لئے بہت مفید ہو گا۔ لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ان لوگوں نے اس طریق فیصلہ کو قبول کرنے سے پہلے

اپنے لٹریچر پر نگاہ

ڈالی۔ اور ساتھ ہی ہمارے لٹریچر پر اس وقت سے لیکر جب کہ معاہدہ ہوا تھا۔ اس زمانہ تک کہ اسے ان کی طرف سے توڑا گیا۔ اور انکی طرف سے اس معاہدہ کی

انتہائی بے حرمتی

کو دیکھ کر میری طرف سے اس کی منسوخی کا اعلان ہوا۔ تو یقیناً وہ اس طریق کو اپنے لئے مفید نہیں پائیں گے ؀

اس دوران میں کچھ اور واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ اور وہ جھگڑا جس کی ابتدا غیر مبایعین نے کی تھی۔ اب زیادہ شدت پکڑ گیا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو کارروائیاں عمل میں آئیں۔ اور جس طرز میں انھوں نے ہمیں دوسروں کی نظر میں حقیر دکھانے کی کوشش کی۔ اور لوگوں کے جذبات کو ہمارے خلاف بھڑکایا۔ اور جس رنگ میں ہم پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ اور جس نکتہ چینی میں نہ صرف عوام بلکہ اسی جوش کے ساتھ ان کا امیر بھی شامل ہے میں اسے

نظر انداز

کرتا ہوں ؀

اور اس وقت میں اپنی جماعت کے دوستوں کو بعض نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پچھلے ہی جمعہ میں اس بات پر تقریر کی تھی۔ کہ ذلت اور عزت خدا تعالےٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور میں روزانہ بیسیوں دفعہ یہ الفاظ دہراتا ہوں۔ کہ ایاك نعبد وایاك نستعین اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کہ پبلک اوپینین یعنی

رائے عامہ

کوئی ایسی عظیم الشان چیز ہے۔ جس کے بغیر ہمارا گذارا ہی نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ ایک زبردست چیز ہے۔ جسے قوموں کی ترقی اور تنزل میں بڑا دخل ہے۔ اور جس وقت یہ انسانوں کی تدبیروں کے بغیر قائم ہو۔ تو یہ خدا تعالےٰ کی مرضی کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے یا اس حالت کے لئے بطور ٹمپریچر کے ہوتی ہے۔ جو آسمان سے زمین پر پیدا کی جاتی ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یوضع لہ القبول فی الارض۔ یعنی جب خدا تعالےٰ کسی کو عزت دینا چاہتا ہے۔ تو آسمان پر اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ فرشتوں کے ذریعہ اس کی قبولیت زمین پر اتارتا ہے۔ پس رائے عامہ جبکہ مخالف حالات میں پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی مرضی کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے۔ اور وہ حقارت کے قابل نہیں ہوتی مگر بایں ہمہ وہ اس قدر عظیم الشان نہیں۔ کہ اس کے مقابلہ میں سب کچھ نظر انداز کیا جا سکے۔ جس چیز پر ہم کلی طور پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اور جس پر ہمیں پورا پورا اعتماد اور توکل ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اور صرف

استعانت الٰہی

ہے جو ہمارا یہ فعل ہے۔ کہ ہم خدا تعالےٰ سے مدد مانگیں۔ اور خدا تعالےٰ کا یہ فعل ہے۔ کہ ہماری دعائیں قبول فرمائے ؀

پس اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ ان

شبہات اور الزامات

بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ ان جھوٹوں اور افتراؤں کو دُور کرنا جو مخالف پارٹی ہم پر لگا رہی ہے۔ ہمارا مذہبی فرض ہے۔ اور جو اس کے پہچاننے میں کوتاہی کرتا ہے۔ وُہ خدا کا مجرم ہے۔ پھر جو اس کی اہمیت کو گراتا ہے۔ یا جو اس فرض کو پہچاننے والوں کی ناقدری کرتا ہے۔ وُہ بھی

خُدا کا مجرم

ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فرض کو انتہا سے آگے لے جانا بھی غلطی ہے۔ جس مقصد اور جس کام کے لئے ہم دنیا میں کھڑے کئے گئے ہیں۔ وُہ

روحانیت اور اخلاق

کا قائم کرنا ہے۔ اور اگر ہم انھیں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر دنیا کی رائے عامہ کے ہم محتاج نہیں۔ اس لئے نہیں۔ کہ وُہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ بلکہ اس لئے کہ اس صورت میں وہ ہمارے تابع ہو جائے گی۔ کیونکہ جو شخص خُدا کا ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے

دُنیا میں کب ایسا ہُوا

کہ کوئی شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کے احکام کی اتباع کے لئے کھڑا ہوا ہو اور دنیا اسے تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بتایا تھا۔ کہ دنیا نُور کو نہیں مٹا سکتی۔ وہ شخص مٹ سکتا ہے۔ جس کے ذریعہ نور پھیلایا جا رہا ہو۔ لیکن اس کا کام نہیں مٹ سکتا۔ اور جو لوگ نیکیوں کو پھیلانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں انھیں اپنی ذات کی پروا نہیں ہوتی۔ اگر مقصود ذاتیں ہوتیں۔ تو

اسلام میں جہاد کا حکم

نہ ہوتا۔ خدا تعالےٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم کبھی نہ دیتا۔ کہ دشمن کا تلوار سے مقابلہ کرو۔ بلکہ یہ کہتا۔ کہ بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ کر چڑھ جاؤ۔ یا ان کی وادیوں میں چھپ جاؤ۔ یا جنگلوں میں بھاگ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ کیونکہ تمہاری جانیں بہت قیمتی ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر۔ عمر اور عثمان رضوان اللہ عنہم کو یہی حکم ہوتا۔ کہ دنیا کے غیر معروف ترین گوشوں میں چھپ جاؤ۔ کیونکہ تمہاری جانیں بہت قیمتی ہیں۔ مگر خدا کہتا ہے۔ کہ جاؤ۔ تم نبی ہو۔ یا اس کے پیرو۔ صداقت کو پھیلانے کے لئے کام کرو۔ اور اپنی جانوں کی پروا نہ کرو۔ پس یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ انسان مٹ جائیں۔ مگر جس چیز کے لئے وہ خدا کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ وہ نہیں مٹ سکتی ؀

میں نے ایک وقت تک کلی طور پر اپنی جماعت کو غیر مبایعین کے مقابلہ سے روک کے رکھا۔ لیکن پھر میں نے محسوس کیا۔ کہ یہ طریق بھی غلط ہے جس طرح اسلام میں ناواجب حملہ ناجائز ہے۔ اسی طرح

بے غیرتی بھی ناجائز ہے

اس روکنے سے بعض لوگوں میں بے غیرتی پیدا ہو گئی۔ غیر مبایعین کی طرف سے اگر خطرناک سے خطرناک حملہ بھی ہم پر کیا گیا۔ تو کسی ایک نے اسے پڑھا۔ اور ہنس کر ٹال دیا۔ اور کسی نے اگر جواب دینے کی کوشش کی۔ تو اسے کہدیا۔ تم کیسے تنگ ظرف ہو۔ ایسی باتوں میں کیوں پڑتے ہو۔ یہ دراصل بے غیرتی تھی۔ ان کا ایمان آہستہ آہستہ ان کے دلوں سے نکل گیا۔ پس میں نے دیکھا۔ کہ یہ طریق غلط ہے۔ اور یہ بے غیرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بے ایمانی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ

بے غیرتی اور ایمان

ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

خدا تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے

احساسات کو صدمہ

پہونچے۔ ان کے لئے بھی جواب کا موقعہ رکھا جائے۔ ان کے احساسات کو مارتے ہی چلے جانا نامناسب امر ہے۔ میں دوستوں کی حالت کا اندازہ اس کیفیت سے کر سکتا ہوں۔ جو انہی حالات میں خود مجھ پر طاری ہوتی ہے جس طرح ان کو مجھ سے عقیدت ہے۔ اور انہوں نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔ اسی طرح میں نے بھی ان کے ساتھ بالا ہستیوں کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ ان پر اگر کوئی حملہ کرے۔ تو میرے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے مجھے یاد ہے۔ یہ خیال نہیں۔ کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ یا نہیں۔ لیکن سنا ہے۔

ایک دوست تھے۔

جن کی طبیعت بہت تیز تھی۔ انھوں نے لاہور میں دوکان کی وہاں کسی شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سخت کلمہ کہا۔

وہ اس سے لڑ پڑے۔ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی شکایت کی۔ آپ نے نصیحت کی۔ اور فرمایا۔ ایسے موقعہ پر صبر سے کام لینا چاہیئے۔ اگر کوئی گالی بھی دے۔ تو خاموش رہنا چاہیئے اس پر بجائے اس کے کہ وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھاتے۔ طیش میں آکر کہنے لگے۔ مجھے تو آپ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہیں لیکن جب آپ کے پیر (مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی) کے خلاف کوئی کچھ کہے۔ تو آپ کتابیں لکھ لکھ کر شائع کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہنس پڑے۔ گویہ جواب غلط تھا۔ لیکن

انسانی فطرت کی بڑھی ہوئی کیفیت

کا ایک نظارہ تھا۔ انسانی فطرت ایسے وقت میں جوش میں آجاتی ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض حالتوں میں جوش کا اظہار جائز ہوتا ہے۔ ورنہ جب جوش کو انتہا سے زیادہ دبایا جائے۔ تو یا فساد پیدا ہوتا ہے یا بے غیرتی۔ پس میں نے اعلان کیا ہے۔ اور اس پر قائم ہوں۔ کہ ایسے لوگوں کو جوابات دئے جائیں اور نہ صرف ان کو جوابات دئے جائیں۔ بلکہ ہمارے سلسلہ کے

علماء کو چاہیئے

کہ اور بھی مختلف اعتراضات کے جوابات دیا کریں۔ جو آریوں اور عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ اور اسلام کی تائید میں مضامین لکھیں۔ لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ ہمارے اخلاق دوسروں سے بہت بلند و بالا ہونے چاہئیں۔ بے شک ہمارے مضامین پُر زور ہوں۔ اور ایسے بھی ہوں۔ کہ دشمن محسوس کرے۔ کہ بلا وجہ حملہ کرنے سے دوسرے کو کیا تکلیف پہونچتی ہے لیکن

ناجائز اور اخلاق سے گرے ہوئے

نہ ہوں۔ بلکہ ناجائز کی حد تک بھی نہ پہونچتے ہوں۔ یہ جواب کہ دشمن ہم پر ایسے حملے کرتا ہے۔ درست نہیں۔ اس نے اپنے اخلاق کا اظہار کرتا ہے۔ اور ہم نے اپنے اخلاق کا۔ وہ اگر اپنے اندرونہ کا اظہار کرتا ہے۔ تو ہمیں اس کی نقل نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ اپنے نفس پر جبر کرکے ہم بھی ویسا ہی گند نکالیں میں مانتا ہوں۔ بعض دفعہ اسی طرز اور اسی زبان میں جواب دینا بھی مفید ہوتا ہے۔ جس زبان میں دشمن اعتراض کرتا ہے۔ بعض عیسائیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب ناپاک حملے کئے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجیل سے ہی ان کے

مزعومہ یسوع کی حالت کا نقشہ

کھینچکر بتایا۔ کہ تم تو بعض مخالفین کے اقوال کی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہو۔ لیکن تمہارے یسوع کی یہ حالت تمہاری بائیبل میں لکھی ہے۔ نادانوں نے سمجھا۔ کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام پر حملے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ تو بعض دفعہ

دشمن کی اصلاح

کے لئے سختی بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ مثال ان لوگوں پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ اور وہ وفات یافتہ حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت مریم پر اگر کوئی حملہ کرتا ہے۔ تو چونکہ وہ وفات یافتہ ہیں۔ اس لئے انہیں کسی قسم کا نقصان پہونچنے کا احتمال نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں سے اگر کسی

ناکردہ گناہ

کو گھسیٹا جائے۔ تو وہ چونکہ زندہ ہے۔ اسے نقصان پہونچنے کا ڈر ہے۔ پس یقیناً غیر مبائعین ہمارے اخلاق۔ ہماری دیانت اور ہمارے کیرکٹر پر حملہ کرتے ہیں۔ مگر انہیں کرنے دو۔ تم جواب ضرور دو۔ مگر ایسا مت کرو۔ کہ جس چیز کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اسے اختیار کرلو۔ شریعت نے کسی کے

اخلاق پر الزام کے لئے شرائط

مقرر کی ہیں۔ اور وہ شرائط ساری دنیا کے لئے ہیں۔ قرآن نے انہیں اس لئے مقرر کیا ہے۔ کہ تا کسی ناکردہ گناہ انسان پر الزام نہ آئے خواہ وہ کوئی ہو۔ کیونکہ بندے سب خدا کے ہیں۔ اور خدا کو ذلیل سے ذلیل انسان کی عزت بھی پیاری ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس کا بندہ ہے۔ اس لئے جواب دینے میں اس بات کی خاص احتیاط رکھنی چاہیئے۔ ابھی

ایک شکایت

مجھے پہونچی ہے۔ پیغامیوں کی طرف سے ایک شخص نے ایک مضمون شتے کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ بہت نامناسب ہے۔ نیز اس شخص نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ میں نے مولوی محمد علی صاحب کی بیعت بذریعہ خواب کی تھی۔ کاش اسے معلوم ہوتا۔ کہ مولوی صاحب نے اس قسم کے

خوابوں کی دھجیاں

کس طرح اڑائی ہیں۔ مولوی صاحب کے نزدیک ماموروں کے خوابوں کے سوا اور وہ بھی ان ماموروں کے جنہیں مولوی صاحب مان لیں۔ کسی کا خواب حجت نہیں ہوتا۔ ان کے لئے اگر ایک شخص کو خواب آیا ہے۔ تو میں اس ایک کے مقابل میں سو سے بھی زیادہ اس سے تقوی میں بڑھے ہوئے اور بے تعلق لوگوں کو پیش کر سکتا ہوں جنہیں میرے متعلق خواب آئے۔ سو اگر یہی

معیار فیصلہ

قرار پا جائے۔ تو آج ہی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ منظور نہیں۔ تو اس ایک خواب کا کیا ٹھکانا ہے۔ وہ تو اسی طرح پراگندہ بھیڑ ہوگی جس طرح ریوڑ سے علیحدہ ہو کر ایک جانور پھرتا ہے۔ خدا کے فضل سے ریوڑ میری طرف ہے۔ اور ان کی طرف ایک پراگندہ بھیڑ کے سوا جو بھیڑئے کا شکار بنتی ہے۔ کوئی نہیں۔ اس شخص نے ایک مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں چونکہ پچھلے دنوں بہت ضروری کاموں میں مشغول تھا۔ اس لئے اس کو مکمل طور پر تو نہیں پڑھ سکا تھا کہیں کہیں سے دیکھا تھا۔ اس لئے اس کا سارا مفہوم میرے دل پر نقش نہ تھا۔ اس نے اس مضمون سے بعض فقرات نقل کئے ہیں۔ اور لکھا ہے۔ یہ سورۃ نور کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اگر وہی مطلب ان الفاظ کا لیا جائے۔ جو اس نے لیا ہے۔ اور اگر لکھنے والے کے نزدیک بھی وہی مطلب تھا۔ تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ لیکن میں اس مضمون کی شکایت کرنے والے سے کہوں گا۔ کہ اس سے زیادہ خطرناک حملے مولوی محمد علی صاحب نے مجھ پر کئے ہیں۔ گو یہ ان کی ہوشیاری ہے۔ کہ لائیبل کے خوف سے انہوں نے نام نہیں لیا۔ مگر یہ بھی ان کی نادانی ہے۔ کہ انہوں نے خیال کیا۔ شائد میں لائیبل انیر کروں گا میری عزت گورنمنٹ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اپنی

عزت گورنمنٹ کے ہاتھ میں

سمجھتے ہیں۔ مگر میں خدا کے ہاتھ میں سمجھتا ہوں۔ وہ آئیں اور جس قدر ان کا دل چاہے۔ مجھے گالیاں دے لیں۔ میں تو جب لائیبل کروں گا

خدا کے ہاں

ہی کروں گا۔ لیکن اس کے لئے بھی میں ابھی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ اس وقت تک کوئی ایسی خطرناک بات نہیں ہوئی۔ جو سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہو سکے۔ خدا تعالیٰ کو خود سلسلہ کی حفاظت منظور ہے۔ وہ جب دیکھیگا۔ کہ سلسلے کو نقصان یا ضعف پہونچ رہا ہے۔ تو وہ خود دخل دیگا۔ لیکن میں لائیبل نہیں کرتا اور نہ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ کبھی کروں گا۔ کیونکہ یہ میری فطرت کے ہی خلاف ہے۔ تو یہ ان کی غلطی تھی۔ کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی طبیعت پر میری طبیعت کا قیاس کر لیا۔ اور اس لئے نام چھپانے کی کوشش کی۔ حالانکہ جس عقلمند کے بھی سامنے وہ مضمون رکھدیا جائے۔ وہ فوراً کہدیگا۔ کہ یہ اشارہ کس کی طرف ہے۔ پہلے

میرے مضمون کا حوالہ

دیا گیا ہے۔ پھر پردہ پر بحث کی ہے۔ پھر لکھا ہے۔ کہ وہ مفتی اور پیر جو ایسے فتوے دیتے ہیں۔ ان کے گھر والے میں ایسا ہوتا ہے اس مضمون کو پڑھکر ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس میں صرف مجھ پر ہی حملہ نہیں۔ بلکہ جماعت کی ہینکڑوں

معصوم عورتوں پر بھی حملہ

ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس کو گالی دی جائے۔ اس کی ہتک نہیں ہوتی۔ بلکہ ہتک خود گالی دینے والے کی ہوتی ہے۔ اس مضمون میں مولوی صاحب نے اپنے اخلاق کے دنی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک عفت کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ اور وہ جوش میں انسانیت کے ادنیٰ درجہ سے بھی گر جاتے ہیں۔

بہرحال ان کی تحریر موجود ہے۔ اگر یہ خط لکھنے والے کے نزدیک ان کا طریق عمل درست ہے۔ تو اسے تو چاہیئے تھا۔ مجھے لکھتا۔ چونکہ خواب میں مجھے مولوی محمد علی صاحب کی صداقت کا یقین دلایا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی چاہیئے۔ کہ انہیں کے طریق عمل پر چلیں۔ لیکن وہ مجھے شکایت لکھتا ہے۔ بہرحال میں اس کے خواب کا تابع نہیں ہوں بلکہ

قرآن کریم کا تابع

ہوں۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اگر ہم پر ایسے حملے کریں۔ تو کریں۔ مولوی محمد علی صاحب کریں تو بے شک کریں۔ لیکن ہمیں نہیں چاہیئے کہ باعفت عورتوں پر کوئی حملہ کریں۔ ڈاکٹر

بشارت احمد صاحب کی بیٹی - یا مولوی محمد علی صاحب کی سالی ہونے کی وجہ سے کسی ایسی عورت پر جسے خدا تعالےٰ با عصمت کہتا ہے - کوئی حملہ نہیں کیا جا سکتا - اور اگر مضمون نویس کا منشا یہی تھا - تو میں اسے نصیحت کروں گا - کہ

توبہ کرو

ہمیں ہرگز کوئی حق نہیں - کہ جس نے ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا - اس پر حملہ کریں - ہاں سوال کے طور پر یہ لکھا جا سکتا ہے - کہ مولوی محمد علی صاحب کا یہ فتوےٰ ہے - اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب یہ کہتے ہیں - اس صورت میں ان پر کیا فتویٰ چسپاں ہوتا ہے - لیکن واقعہ کی صورت میں اسے تبدیل کر دینا ٹھیک نہیں - یہ کہنا کہ فلاں چونکہ یہ فتویٰ دیتا ہے - اس لئے نفس پرستی کرتا ہے ناجائز ہے - کیونکہ اس میں بعض ایسی عورتوں پر حملہ ہے - جن کا کوئی گناہ ہم پر ثابت نہیں - اگر وہ لوگ بغض میں انتہائی درجہ پر بھی پہونچ جائیں - پھر بھی ہم ان کی

مستورات کو عفیفہ

ہی سمجھیں گے - کیونکہ خدا تعالےٰ ان کو عفیفہ کہتا ہے -

پس میں کہوں گا - کہ

عورت کی عزت کی حفاظت

خواہ وہ دشمن کی ہو - انسانیت کا ادنےٰ فرض ہے - اور بہادر آدمی کا کام ہے - کہ کسی ادنےٰ سے ادنےٰ درجہ کی عورت کی عزت کی حفاظت کے لئے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہو - اگر اسے جان بھی دینی پڑے - تو قطعاً دریغ نہ کرے - پس تم بہادر بنو - اور عورت کی عزت کی حفاظت کرو - عورت کی عزت کو خدا نے قائم کیا ہے - اور وہ

شعائر اللہ

میں سے ہے - اس لئے اس کی عزت تم پر فرض ہے - میں ان مجبوریوں سے بخوبی آگاہ ہوں - جن سے آپ لوگوں کو گذرنا پڑتا ہے - اور ان لوگوں کو

ایمان سے خالی

سمجھتا ہوں - جو بے غیرتی دکھاتے ہیں - اور دشمن کے اعتراضات اور الزامات سن کر باوجود جواب دینے کی طاقت اور قابلیت رکھنے کے خموش ہو جاتے ہیں - اور کہہ دیتے ہیں - جانے دو - ان باتوں کے جواب نہیں دینے چاہئیں - وہ ہم میں سے نہیں اور وہ خدا کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے - لیکن پھر بھی میں ہر اس شخص کو جو مقابلہ کے لئے زبان یا قلم اٹھاتا ہے نصیحت کرتا ہوں - کہ وہ ایسے رنگ میں لکھے - جو بے شک تیز ہو - موثر ہو - لیکن اس میں کسی ناکردہ گناہ پر کوئی حملہ نہ ہو - ہم

تقوےٰ کے قیام کے لئے

کھڑے کئے گئے ہیں - پس کوشش کرو - کہ ہم جب دنیا کو چھوڑ کر جائیں - تو دشمن بھی محسوس کرے - کہ ہم دنیا میں اصلاح کر گئے ہیں -

میں ایک طرف جہاں ان

غافل لوگوں کو

جن کی غفلت بے غیرتی کی حد تک پہونچی ہوئی ہے - توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس میدان میں پیٹھ پھیر کر کھڑے نہ رہیں - اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق حصہ لیں - وہاں

مجاہد دوستوں کو

جو کام کر رہے ہیں - توجہ دلاتا ہوں - کہ جس کی عزت خدا نے قائم کی ہے - اس کا خاص خیال رکھیں - رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی - صحابہ کا بیان ہے - آپ ایسے سخت غضبناک ہوئے - کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئے تھے - اور فرمایا - کبھی کسی

عورت پر حملہ نہ کرو

پس تم بھی کسی عورت پر کبھی حملہ نہ کرو - دشمن کو اپنا اندرونہ ظاہر کرنے دو - اور تم اپنا کرو - وہ جب اپنے گھر کو لوٹیگا تو خدا کا غضب اس پر نازل ہو رہا ہوگا - اور تم اس کے فضل کے وارث بنو گے - کون کہتا ہے - کہ ایسا کرنے سے وہ جیت جائیگا - اور تم ہار جاؤ گے - یقیناً تم ہی جیتو گے - اور وہ ہاریگا -

(عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)

فلسطین میں تبلیغ مسیحی کا مقابلہ

تبلیغ مسیحی سے جو ضرر مسلمانوں کو ہند میں دینی لحاظ سے پہونچا وہ برادران ہند پر مخفی نہیں ہے۔ ہزارہا اشخاص جن کے باپ دادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام پر اپنے اموال ونفوس فدا کرنا اپنے لئے موجب فخر وسعادت خیال کرتے تھے۔ مسیحیت کا شکار ہو گئے۔ پھر یہی نہیں۔ کہ انہوں نے اسلام جیسے صلح کن اور کامل مذہب کو چھوڑا۔ بلکہ اس خیر البشر کے حق میں جو کہ حسن واحسان کا مجسم نمونہ تھا سب وشتم اور برا بھلا کہنا کارِ ثواب سمجھا۔ تب خدا تعالےٰ کی صفت غیرت جوش میں آئی۔ اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ آپ نے تبلیغ مسیحی کا پورے زور سے مقابلہ کیا۔ اور اس سیلاب کو جو اسلام کے لئے وبال جان ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے مضبوط بند لگا کر روک دیا۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی۔ جو تبلیغ مسیحی کا پوری طرح مقابلہ کر سکے۔

اب چند سالوں سے عربی ممالک میں بھی تبلیغ مسیحی زور پکڑ رہی ہے۔ عیسائیوں کا مصمم ارادہ ہے۔ کہ کوئی جگہ کوئی شہر اور کوئی دیہہ ایسا نہ رہے۔ جس میں تبلیغ نہ کی جائے اور وہ یہ عزم کئے ہوئے ہیں کہ اس سلسلہ کو حجاز میں پہونچائیں۔ ابھی چند ماہ گذرے ہیں۔ کہ مختلف ممالک کے پادریوں اور لیڈروں کی قدس میں مؤتمر ہوئی تھی جس کا ذکر اخبارات میں آ چکا ہے۔ مگر مسلمان ابھی تک تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور مقابلہ بالمثل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ بات کا جواب پتھر یا اینٹ سے دینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کئی مسلمان عیسائی بھی ہو چکے ہیں۔

جب سے میں بحکم حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ فلسطین میں پہونچا ہوں۔ بہت سے مسیحیوں سے مسلمانوں کی موجودگی میں مناظرات ہوئے ہیں۔ جن سے مذہب مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا۔ بعض اشخاص جو پادریوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ اور ان کے زیر اثر تھے۔ وہ میرے پاس آتے رہے۔ میں نے ان کے شکوک وشبہات کو جو انہیں اسلام کے متعلق تھے۔ دور کیا۔ اب جماعت احمدیہ سوریہ وفلسطین نے یہ انتظام کیا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً مسیحیت کی تردید اور اسلام کی تائید میں ٹریکٹ شائع کئے جایا کریں۔ چنانچہ پہلا ٹریکٹ جو ۴۸ صفحہ کا ہے۔ دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا ہے۔ اور اس کا نام الهدية السنية للفئة المبشرة المسيحية ہے۔ یعنی مسیحی مبلغ جماعت کے لئے عمدہ تحفہ۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر توریت وانجیل سے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور نیز ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام اور آپ کا بلحاظ ذاتی فضائل اور اتباع کے مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ منجملہ دیگر امور کے ایک ایک بات قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے رقم کرتا ہوں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ کسی کی دوستی کسی کے تعلق اور قلبی حالت کا اندازہ مصیبت کے وقت ہی لگایا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلعم پر ایک تنگی کا وقت وہ تھا جب کفار نے آپ کے قتل کی نیت سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ اور آپ وہاں سے بسلامت نکل کر غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے۔ اب دشمن غار کے منہ پر کھڑا ہے۔ ذرا نیچے گردن جھکائے تو وہ حضور اور آپ کے یار غار کو دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ ابو بکرؓ اس حالت کو دیکھ کر غم کھاتے ہیں۔ تو آپ اُسے یوں تسلی دیتے ہیں۔ کہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ کہ تو غم نہ کر۔ اللہ ہمارا محافظ ہے۔ وہ ہمارا ناصر ومددگار ہے۔ پھر کس کی مجال ہے۔ جو ہمیں قتل کر سکے۔ مگر جب مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ تو انہوں نے بالفاظ انجیل چلّا کر کہا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اے میرے خدا اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اب بتاؤ ان دونوں میں سے کون خدا تعالےٰ کا زیادہ مقرب ہو سکتا ہے۔ اور کس کا اللہ تعالےٰ سے زیادہ تعلق تھا۔ اور کس کو اپنے مولا کی مدد کا زیادہ یقین تھا۔ کیا وہ جو کہتا ہے۔ کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یا وہ جس نے اپنے ساتھی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے کہا۔ کہ غم نہ کر۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمارا محافظ ہے۔ چنانچہ یہ وعدہ اللہ تعالےٰ نے پورا کیا۔ باوجودیکہ آنحضرت صلعم کی شدید مخالفت ہوئی۔ اور دشمنوں نے آپ کے قتل کی جان توڑ کوششیں کیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کی حفاظت کی۔ اسی طرح ابو بکرؓ کی خلافت کے وقت ارتداد کا فتنہ بگولے کی طرح اٹھا۔ اور اس وقت بھی اسلام سخت خطرہ کی حالت میں پڑ گیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ابو بکرؓ کی حفاظت کی۔ مگر قول لا تحزن ان اللہ معنا کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ سب شہید ہوئے۔

اتباع کی حالت دیکھی جائے۔ تو آنحضرت صلعم عمرؓ کی نسبت فرماتے ہیں۔ ما لقيك الشيطان فجا الا سلك فجا غير فجك۔ کہ اے عمر تجھے شیطان کبھی نہیں ملا۔ مگر اس نے تیرا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ اب اس حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ شیطان حضرت عمرؓ سے ایک بزدل شخص کی مانند بھاگتا ہے۔ مگر مسیح انجیل متی باب ۱۶ میں اپنے سب سے بڑے حواری کو شیطان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس ٹریکٹ کو اب تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اور مسیحیوں پر اس کا اچھا اثر ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی چونکہ اقتصادی حالت گری ہوئی ہے۔ اس لئے بھی بعض جہلاء کے مسیحی ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اندر ہی اندر مسیحی دیہات کی عورتوں اور مردوں میں اپنی تبلیغ کا جال پھیلا رہے ہیں۔ انشاء اللہ جہاں تک ہماری طاقت ہے۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ

خادم جلال الدین شمس احمدی از حیفا۔ ۱۸ ستمبر ۲۸ء

درس کے اجتماع کا فوٹو

جن دوستوں نے درس کے موقعہ پر فوٹو کی قیمت ادا کی تھی۔ انکی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے۔ کہ وہ اپنی کاپی مکرمی مولوی عبد الرحمٰن صاحب مولوی فاضل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان سے محصول ڈاک بھیجکر منگوا سکتے ہیں جن دوستوں کو خیال ہو۔ کہ ان کی تصویر نہیں آئی ہوگی۔ اور وہ روپیہ واپس لینا چاہتے ہوں۔ وہ خاکسار کو مطلع فرمائیں۔ اگر گنجائش ہوئی۔ اور واقعہ میں انکی تصویر نہ آئی۔ تو ان کو قیمت واپس دیدی جائے۔ قاسم مرزا [illegible]

مولانا محمد علی صاحب احمدیہ مسجد لنڈن میں

مولانا محمد علی صاحب کو جو بحالئ صحت کے لئے یورپ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ احمدیہ مسجد لنڈن میں تشریف لانے پر انگریز نو مسلم احمدیوں اور دوسرے احمدی اصحاب مقیم لنڈن کی طرف سے ۱۰۔ اگست ایک ایڈریس دیا گیا۔ جو Mr. Abdullah Ryane نے پڑھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے طویل تقریر فرمائی۔ اختتام جلسہ کے بعد انہوں نے نماز مغرب جماعت احمدیہ کے ساتھ ادا کی۔ اور بعد میں دیر تک مختلف امور کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔

پراونشل انجمن احمدیہ صوبہ سرحد پشاور کا اجلاس

پراونشل انجمن احمدیہ صوبہ سرحد کی بعض تجاویز کے متعلق مشورہ کے لئے ۱۴ راکتوبر ۱۹۲۸ء بروز اتوار بوقت ۷ بجے شام مسجد احمدیہ پشاور میں اجلاس منعقد ہوگا۔ جملہ انجمن ہائے صوبہ کے امراء وپریزیڈنٹ صاحبان و دیگر نمائندگان کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وقت مقررہ پر شریک جلسہ ہو کر اپنے قیمتی مشورہ سے مستفید فرمائیں۔

خاکسار عبد المجید احمدی سکرٹری استقبالیہ کمیٹی پراونشل انجمن احمدیہ صوبہ سرحد پشاور

نوٹس بنام مولوی عبد اللہ صاحب وکیل رنگون

آج یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو آپ کی طرف سے ایک تحریر بواسطہ عبد العزیز کوٹی موصول ہوئی۔ جس میں آپ نے بہار اللہ ایرانی کے ادعاء الوہیت اور اسے آیت "لو تقول" کے دائرہ سے خارج ثابت کرنے پر قادیانیوں کو پانچسو روپیہ بطور تاوان دینے کا اقرار کیا ہے۔ اور تمام جماعت احمدیہ کو چیلنج کیا ہے۔ سو میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ کے اس چیلنج کو منظور کرتا ہوں۔ میں اس بات کا ذمہ وار ہوں۔ کہ ثابت کروں۔ کہ بہاء اللہ ایرانی ۲۳ سالہ معیار (لو تقول) کے ماتحت نہیں آتا۔ اس کا دعوےٰ بعینہٖ اسی طور پر الوہیت کا ہے۔ جس طرح کا دعوےٰ آج کل مسیحی لوگ حضرت مسیح کی الوہیت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یعنی ایک پہلو سے انسان اور ایک پہلو سے خدا۔ یہی دعوےٰ احمدیہ لٹریچر میں بہاء اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ آپ کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میں اس نوٹس کے ذریعہ آپکو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آپ فوراً مبلغ پانصد روپیہ امپیریل بنک آف انڈیا میں جمع کرا کے اس کے منیجر کی طرف سے ایسی تحریر باقاعدہ فوراً مجھے بھجوا دیں۔ کہ اگر ثالث جماعت احمدیہ کے حق میں فیصلہ دینگے۔ تو خاکسار کو مبلغ پانچسو روپیہ فوراً ادا کر دیا جائیگا۔ اس چیلنج کے جواب میں پرچوں کے شروع کرنے اور ان کی تعداد اور دیگر شرائط کے متعلق مندرجہ بالا تحریر آنے پر تصفیہ کیا جا سکتا ہے فقط

نوٹ: ۱۵۔ اکتوبر تک اس نوٹس کا جواب میرے نام معرفت خلیفہ نور الدین صاحب احمدی سرینگر آنا چاہیئے۔ بعد ازاں قادیان کے پتہ پر۔

خاکسار ابو العطاء اللہ دتا۔ جالندھری مولوی فاضل مبلغ جماعت احمدیہ قادیان

الفضل
بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۳۰ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء | جلد ۱۶

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

(۳)

کیا قلیل التعداد جماعتوں کو خاص قوانین کی ضرورت ہوتی ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے۔ کہ جو مدتوں سے زیر بحث ہے۔ رومی میاٗر نے یہودیوں کے متعلق چند سال کے لئے عارضی طور پر اور اسلامی حکومت نے ابتدا ءعہد سے غیر مسلموں کے متعلق ایسے قوانین کو جاری کیا تھا۔ کہ جن سے اقلیتوں کی حفاظت ہو سکے۔ قسطنطنیہ کی فتح پر محمد ثانی نے مسیحیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص قواعد بنائے جنکا بیشتر حصہ فروری ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ جبکہ ترکی حکومت نے اسلامی قوانین کی جگہ سوٹزرلینڈ کا قانون دیوانی اپنے ملک میں جاری کر دیا۔ لیکن اس سوال کو بین الاقوامی حیثیت سب سے پہلے ۱۸۱۴ء میں حاصل ہوئی ہے۔ جبکہ کانگریس آف وٹنا نے یونائیٹڈ نذرلینڈ کی نئی حکومت قائم کی۔ چونکہ اس ملک میں دو مذہب اور دو زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اس لئے قلیل التعداد جماعتوں کی حفاظت کے لئے ایک دستاویز لکھی گئی۔ جو تاریخ میں "آٹھ دفعات" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دفعہ دو یہ ہے:-

"قانون اساسی کی ان دفعات میں کوئی تبدیلی نہ ہوسکیگی جو تمام مذاہب کو یکساں حق اور آزادی عطا کرتے ہیں اور سب شہریوں کو خواہ ان کا کوئی مذہب ہو۔ سرکاری عہدوں اور اعزازوں کا مستحق قرار دیتے ہیں"

پھر دفعہ چار یہ ہے:- کہ

"تمام باشندگان نذرلینڈز اس طرح برابر کے حقوق حاصل کر کے تمام ایسے تجارتی اور دوسرے حقوق پر یکساں دعوے رکھیں گے جنکی ان کے حالات اجازت دیتے ہیں۔ اور کوئی روک یا مشکل ان کے راستہ میں نہ ڈالی جائے گی۔ جس سے دوسری قوم زیادہ فائدہ حاصل کرے"

چونکہ اس وقت تک صرف مذہب ہی اختلاف کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسی کا ذکر اس معاہدہ میں کیا گیا تھا۔ گو بعد میں ثابت ہوا۔ کہ اکثریت اقلیت کو تباہ کرنے کے لئے اور ذرائع بھی ایجاد کر لیتی ہے۔ چنانچہ نذرلینڈز میں فلیمنگ زبان کو دبا کر جو اقلیت کی زبان تھی۔ اقلیت کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ۱۸۳۰ء میں یونان کی حکومت کے قیام کے وقت ۱۸۶۳ء میں جزائر آیونین کی علیحدگی کے وقت ۱۸۵۶ء میں رومانیا کی علیحدگی کے وقت کانگریس آف برلن میں ۱۸۷۸ء میں سرویا مانٹینیگرو اور بلغاریہ کے علاقوں کے متعلق اقلیتوں کی حفاظت کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا۔ اور ایسے قوانین تجویز کئے گئے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق تلف نہ ہوسکیں۔

جنگ عظیم کے بعد جب یورپ میں نئی تبدیلیاں ہوئیں۔ تو پولینڈ۔ لتھیونیا۔ لٹویا۔ اسنھونیا۔ آسٹریا۔ ہنگری۔ رومانیا۔ زکوسلوویکا۔ یوگوسلیویا سے خاص معاہدات لئے گئے۔ جن کا نام معاہدات متعلق اقلیت ہے۔ ان معاہدات میں اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق اکثریتوں کے دست تصرف سے محفوظ رہیں۔

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت صدیوں سے زیر بحث ہے۔ اور اقوام عالم اس کی اہمیت کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اور اس وقت عام طور پر یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ اقلیتوں کو خصوصاً جبکہ وہ ممتاز وجود رکھتی ہوں خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی اختلاف ہے۔ تو صرف یہ ہے۔ کہ بعض اقوام اس امر کی دعوے دار ہیں۔ کہ ان کے ملکوں میں چونکہ اقلیتوں کو اکثریت سے کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے ان کے ملک میں یہ قانون نہ جاری کیا جائے۔ لیکن دوسری اقوام کہتی ہیں۔ کہ نہیں۔ جب ہمارے ملک میں یہ قانون جاری کیا گیا ہے۔ تو سب اقوام کو اس پر عمل کرنے کا معاہدہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے:-

"لیکن پریزیڈنٹ ولسن نے اس امر کا کوئی جواب نہ دیا۔ کہ اقلیتوں کی حفاظت کا قانون ان تمام حکومتوں میں جاری ہونا چاہیئے۔ جن میں اقلیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سوال اب تک بھی بغیر جواب کے پڑا ہے۔ اور وہ عدم مساوات جو ان معاہدات سے پیدا ہوئی ہے (کہ نئی حکومتوں کو اس کا پابند کیا گیا ہے۔ لیکن پرانی حکومتوں کو نہیں) اس کو بہ نسبت اس اندرونی معاملات میں دخل اندازی کے جسے ان معاہدات میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ بہت زیادہ بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے"

جنگ عظیم کے بعد جن ملکوں میں نئی اقلیتیں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اٹلی بھی ہے۔ جس سے اقلیتوں والا معاہدہ نہیں لیا گیا لیکن وہاں جو حال اقلیتوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقلیتوں کو حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے (اور مسلمان بھی اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ اگر خود حفاظتی کے بغیر انہوں نے ہندوؤں سے سمجھوتا کر لیا۔ تو ان کا کیا انجام ہوگا) اٹلی کو جو نیا علاقہ جنگ کے بعد ملا ہے۔ اس میں سے کچھ تو وہ ہے۔ جس میں جرمن آبادی پائی جاتی ہے۔ اور کچھ وہ ہے۔ جس میں سرب اور کروٹس پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے اٹلی نے جو ہندوستان سے یقیناً زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے۔ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ خود سینور میوزلینی کی ایک گفتگو سے ظاہر ہے۔ فروری ۱۹۲۶ء کو فرانس کے ایک اخبار کے نمائندہ کے سوال کے جواب میں انہوں نے بیان کیا۔ کہ

"جب میں نے جنوبی ٹائرال کا معائنہ کیا (آسٹرین علاقہ جو اب اٹلی کو ملا ہے۔ اور جس میں جرمن نسل کے لوگ بستے ہیں) تو میں نے دیکھا۔ کہ وہاں ہر ایک چیز جرمنی اثر کے ماتحت ہے۔ گرجہ۔ سکول۔ پبلک کارکن ریل اور پوسٹ آفس کے افسر سب جرمن ہیں۔ ہر جگہ پر صرف جرمنی زبان ہی سننے میں آتی تھی۔ اور لوگ ایسے گیت گاتے تھے۔ جن کا روم میں گانا فوری گرفتاری کا موجب ہوتا۔ اب اس علاقہ کے ہر ایک سکول میں اٹالین زبان لازمی ہے۔ تمام ڈاکخانہ اور ریل کے افسر اٹالین ہیں۔ اور اب ہم وہاں بہت سے اطالوی خاندان بسانے کی فکر میں ہیں۔ ایک ہزار خاندان پنشنر فوجیوں کا جنوبی ٹائرال کو اس غرض کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ کہ وہاں کی زمین کی حالت کو اچھا بنائیں۔ اس طرح ہم اس ملک کو اطالوی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے"

(دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۲۰۹)

اس اطالوی بنانے کی تفصیل یہ ہے۔ کہ

"تمام قانون صرف اطالوی زبان میں شایع کئے جاتے ہیں۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کا اعلان اطالوی زبان کو عدالتوں میں لازمی قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح قلیل التعداد جماعتوں کے قانونی حق کو سخت صدمہ پہنچاتا ہے یہ اعلان اطالوی زبان کے سوا باقی سب زبانوں کو دیوانی یا فوجداری کارروائیوں میں خواہ زبانی ہو یا تحریری ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسیسر وہی لوگ بنائے جا سکتے ہیں۔ جو اطالوی زبان جانتے ہوں۔ تمام کاغذات اور شہادتیں جو اور کسی زبان میں ہوں۔ رد کر دی جاتی ہیں"

"چونکہ صرف اطالوی جاننے والے لوگ اسیسر بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے اقلیتوں کے ہر فرد کو یہی امید رکھنی چاہیئے۔ کہ سب کی سب جیوری اس کے قطعی طور پر مخالف ہوگی۔" "کوئی ایک فرد بھی اقلیتوں کا ان قوانین سے کسی نہ کسی وقت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن مُسولینی (اطالوی وزیر) کے پروگرام میں مذکورہ بالا امور کے علاوہ اور ذرائع بھی لوگوں کو اطالوی قوم میں شامل کر لینے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں" صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳

ان امور کو گنانے کے بعد دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز کی لائق مصنفہ لکھتی ہے۔ کہ

"صرف اقلیتوں کے معاہدات نے ہی دوسری حکومتوں کی اقلیتوں کو اس انجام سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ مثال اس امر کی کہ بغیر حد بندیوں کے قوم پرستی کیا کچھ کر سکتی ہے ظاہر کرتی ہے۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے معاہدات کیسے ضروری ہیں۔ اور یہ کیسی سخت غلطی تھی کہ اطالوی حکومت کی خود اختیاری کا احترام کرتے ہوئے اسے اس معاہدہ سے مستثنےٰ کر دیا گیا تھا" صفحہ ۲۱۴

مجھے اس مثال کے بعد اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا تسلیم کر چکی ہے۔ کہ اقلیتوں کی حفاظت کی اشد ضرورت ہے۔ اٹلی جس میں اس امر کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ اس جگہ اقلیتوں کی حالت بآواز بلند دوسرے ایسے ہی ممالک کو کہہ رہی ہے۔ کہ ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید

اب یہ مسلمانوں کا کام ہے۔ کہ وہ باوجود عبرت کے موجود ہونے کے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا نہیں۔

نہرو رپورٹ کے نزدیک اقلیتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت نہیں

جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد اس کی ضرورت تو نہیں۔ کہ میں نہرو رپورٹ کے دعویٰ کو پیش کر کے رد کروں۔ لیکن اس خیال سے کہ تفصیل شائد اس مسئلہ کو اور روشن کر دے۔ میں بتانا چاہتا ہوں۔ کہ

نہرو کمیٹی نے بھی اس امر پر زور دیا ہے۔ اور کانگریس والے اور مہاسبھا والے بھی ہمیشہ اس امر پر زور دیتے چلے آئے ہیں کہ قلیل التعداد جماعتوں کو خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب انصاف کے قواعد بنائے جائیں۔ تو ان کے ماتحت قلیل التعداد جماعتوں کو کسی نقصان کے پہونچنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہمیشہ ہندوؤں کی طرف سے پیش ہوتی چلی آئی ہے۔ اور نہرو کمیٹی کے بین السطور سے بھی یہ صاف ظاہر ہے۔ بلکہ نہرو کمیٹی نے تو ایک عجیب نرالی منطق بھی چھانٹی ہے۔ وہ لکھتی ہے۔ کہ

"اگر قومی حفاظت کی ضرورت کسی جماعت کے لئے ضروری بھی ہو۔ تو اس کی ضرورت دو بڑی جماعتوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے تو بالکل نہیں۔ اسکی ضرورت ان چھوٹی اقوام کے لئے تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جو سب ملکر ہندوستان کی دس فیصدی آبادی بنتی ہیں" (نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸)

گویا اول تو قلیل التعداد جماعتوں کی حفاظت کے قواعد کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر ہو۔ تو پھر بالکل چھوٹی جماعتوں کو ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کو۔ اس منطق کے سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔ اور یہ عقل کے بالکل برخلاف ہے یہ بات تب درست ہو سکتی ہے۔ اگر ہم مندرجہ ذیل امور کو صحیح سمجھ لیں جو ہرگز درست نہیں۔

(۱) بڑی اقلیت اور اکثریت میں اختلاف کا امکان بہ نسبت چھوٹی اقلیت کے کم ہوتا ہے۔

(۲) یکساں قواعد تجویز کرنے سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔

میں ان دونوں باتوں کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور نہ کوئی اور عقلمند انہیں صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو گا۔ پہلا دعوےٰ اس لئے باطل ہے۔ کہ اقلیت اور اکثریت میں جھگڑا اقلیت و اکثریت کے سبب سے نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض ایسے اسباب کیوجہ سے ہوتا ہے جو دونو کو مدمقابل پر لا کر عداوت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ اسباب پیدا ہوں تو خواہ اقلیت بڑی ہو یا چھوٹی۔ اکثریت اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے

اقلیت اور اکثریت کے ٹکرانے کے اسباب

ان مختلف اسباب میں سے جو اقلیت اور اکثریت میں ٹکراؤ کرا دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اسباب بڑے بڑے ہیں (۱) اقلیت قریب زمانہ میں پہلے حاکم رہی ہو۔ اور اس نے اکثریت پر ظلم کئے ہوں۔ یا اکثریت کو یہ یقین دلا دیا گیا ہو۔ کہ اس نے ظلم کئے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں اکثریت کے ذہن پر یہ بات غالب ہوتی ہے۔ کہ ہم نے ان لوگوں سے پچھلے بدلے لینے ہیں (۲) اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن میں اکثریت سے اعلےٰ اور اس پر غالب ہو۔ اس صورت میں بھی اکثریت چاہتی ہے۔ کہ اقلیت کو تباہ کر دے۔ کیونکہ وہ ڈرتی ہے۔ کہ اگر اسے ترقی کا موقعہ دیا گیا۔ تو وہ ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن کو تباہ کر دیگی۔ (۳) جب اقلیت میں کوئی ایسا امر پایا جائے۔ جو اسے اکثریت میں جذب ہونے سے مانع ہو۔ اس وجہ سے اکثریت کو خوف ہوتا ہے۔ کہ ہمیشہ ملک میں دو پارٹیاں رہیں گی۔ اور کسی وقت بھی ہمیں امید نہ ہوگی کہ اقلیت ہم میں جذب ہو کر ایک ہو جائیگی۔ یا جذب نہ ہوگی۔ تو کم سے کم ہمارے ساتھ سموئی جائیگی۔ اور اس کے ممتاز نشانات مٹ کر وہ ظاہر میں ہم سے متحد ہو جائیگی۔ (۴) جب اقلیت میں کوئی ایسی طاقت پائی جائے جس کی وجہ سے اکثریت کو خوف ہو کہ اگر اسے روکا نہ گیا۔ تو یہ کسی وقت اکثریت ہو جائیگی۔ (۵) جب اقلیت نے اپنے آپکو ملک کا حصہ نہ قرار دے اور اسکی نظر ملکی حدود سے باہر نکل کر اپنے غیر ملکی بھائیوں پر پڑتی ہو اسوقت اکثریت اقلیت سے خائف ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ کسی وقت غداری نہ کریں۔ اور انہیں دبانا چاہتی ہے (۶) جب اکثریت اقلیت کی گری ہوئی اقتصادی حالت کیوجہ سے نفع حاصل کر رہی ہوتی ہے۔ اور خیال کرتی ہے کہ اقلیت کی بیداری کی وجہ سے ہمیں نقصان پہونچیگا۔

یہ موٹی موٹی چھ وجوہ ہیں جن میں سے بعض یا تمام کے پائے جانے پر اکثریت اقلیت کو دبانیکی کوشش کرتی ہے۔ اور جن کی وجہ سے اقلیتوں کو بھی اکثریت سے خوف رہتا ہے۔ اب ان اسباب پر نظر ڈالکر ہر ایک عقلمند خیال کر سکتا ہے۔ کہ بڑی اقلیتوں کو چھوٹی اقلیتوں سے کم خطرہ ہونیکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اقلیتوں کو خواہ وہ بہت ہی کم ہوں۔ خواہ اچھی تعداد میں ہوں۔ جب بھی اوپر کے حالات پیدا ہو جائیں یکساں خوف ہوگا۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ جب اقلیت بہت ہی تھوڑی ہو۔ مثلاً صرف ایک فیصدی یا دو فیصدی ہو۔ یا اس سے بھی کم ہو۔ تو اسے کوئی خطرہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ اکثریت سمجھتی ہے۔ کہ اس سے نقصان کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں پس سیحیوں۔ بدھوں۔ پارسیوں وغیرہ کو جنکی مجموعی تعداد دس فیصدی بتائی گئی ہے۔ کوئی خطرہ نہیں ہے خطرہ ہے۔ تو مسلمانوں کو جن کی نسبت ہندو لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ کسیوقت یہ لوگ بڑھکر ہم پر غالب آجائیں

یورپ میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

دوسرے ممالک میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بڑی اور چھوٹی اقلیتوں میں فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یورپ میں اقلیتوں کی حفاظت کیوقت یہ خیال نہیں کیا گیا۔ کہ اقلیت بڑی ہے یا چھوٹی۔ مثلاً پولینڈ میں اقلیتوں کی تعداد اٹھائیس فیصدی سے زیادہ ہے۔ مگر وہاں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ زیگوسلویکا میں جرمن ہی پچیس فیصدی کے قریب ہیں۔ اور باقی اقلیتوں کی تعداد ملا کر اقلیتوں کی کل تعداد چالیس فیصدی کے قریب ہو جاتی ہے۔ مگر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ پس یہ کہنا کہ صرف چھوٹی اقلیتوں کی حفاظت کی جانی چاہیئے۔ نہ صرف عقل کے خلاف ہے۔ بلکہ دنیا کے دستور کے بھی خلاف ہے۔ اور میں حیران ہوں۔ کہ نہرو کمیٹی نے کس طرح جرأت کی۔ کہ اس عقل و نقل کے خلاف تھیوری کو اس دلیری سے اپنی رپورٹ میں پیش کر دیا۔

اس جگہ میں اس امر کے بیان کرنے سے نہیں رک سکتا۔ کہ زبردست کے لئے ہر ایک امر دلیل بن جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ ہماری ہندوستان کی اکثریت یعنی ہندو صاحبان نہرو رپورٹ کے ذریعہ سے جس حقیقت کو ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کہ بڑی اقلیتوں کو اور لکھتے ہیں۔ کہ

"چھوٹی اقلیتوں کو حفاظت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جو سب ملکر دس فیصدی بنتی ہیں" (نہرو رپورٹ صفحہ ۲۸)

اس کے مقابلہ میں استھونیا کی حکومت جو روس کی سابقہ حکومت سے الگ ہو کر بنی ہے۔ اور جس میں اقلیتوں کی تعداد دس فیصدی ہے (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۱۱۴) وہ لیگ آف نیشنز کے مطالبہ پر کہ ان کے ملک میں بھی اقلیتوں کی حفاظت کا قانون جاری ہونا چاہیئے۔ لکھتی ہے۔ کہ

"ہمارے ملک کی اقلیت" اتنی چھوٹی ہے"۔ کہ اس کے حقوق کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں"

(دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۵۴)

کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ ہندوستان کی اکثریت مسلمانوں کو اس لئے حفاظت کا حق نہیں دینا چاہتی۔ کہ ان کی تعداد اتنی کم نہیں۔ کہ انہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہو۔ ہاں دس فیصدی والی اقلیت حفاظت

کے لئے قوانین کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ لیکن استھونیا کی اکثریت لکھتی ہے۔ کہ ہمارے ہاں کی اقلیتوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ "اتنی تھوڑی ہیں" کہ صرف دس فیصدی ہیں۔ پس چونکہ اقلیت کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے الگ قوانین بنائے جائیں۔ مگر ہر عقلمند سمجھتا ہے۔ کہ دونوں جوابوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اقلیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اکثریت اسے اس کا حق دینے پر راضی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر قسم کے بہانے بنا کر اسے تباہ کرنا چاہتی ہے۔

کیا یکساں قواعد تجویز کرنا انصاف کیلئے کافی ہے

اس اصل کو غلط ثابت کرنے کے بعد کہ خوف کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی اقلیتوں میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ اب میں دوسرے دعوے کو لیتا ہوں۔ جو یہ ہے۔ کہ یکساں قواعد کا تجویز کرنا انصاف کے قیام کے لئے کافی ہے۔ میں نے اس دعویٰ کے لئے یکساں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تاکہ اس لفظ میں انصاف اور مساوات دونوں مفہوم آجائیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کی دو ہی شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ سب کے لئے ایک ہی قانون ہو۔ تو اس سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری شق یہ ہے۔ کہ اگر دونوں فریق کا یکساں لحاظ رکھ لیا جائے اور قوانین ایسے ہوں کہ دونوں کی ضرورت کا خیال ان میں ہو۔ تو پھر کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ دونوں معنوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ نہ یہ درست ہے۔ کہ قوموں کے لئے ایک ہی قانون بنایا جائے۔ تو ان میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انصاف قائم ہو گیا ہے۔ اور نہ یہ کہنا درست ہے۔ کہ اگر دونوں قوموں کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے ان کی ضرورت کے مطابق انصاف سے قواعد بنا دئے جائیں۔ تو ان کے حق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔

پہلی بات کہ جب سارے ملک کے لئے ایک قانون بنا دیا جائے۔ تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انصاف یہی چاہتا ہے۔ کہ سب سے یکساں سلوک ہو۔ اس لئے درست نہیں۔ کہ سب انسانوں کی حالت برابر نہیں ہوتی۔ نہ سب پر قانون کا ایک سا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض پر زیادہ اور بعض پر کم۔ اور جب قانون کا اثر نمایاں طور پر ایک خاص گروہ پر پڑتا ہو۔ اور دوسری قوم پر اس کا اثر بالکل نہ پڑتا ہو۔ یا بہت کم پڑتا ہو۔ تو ایسا قانون ہرگز منصفانہ نہیں کہلا سکتا۔ مثال کے طور پر دیکھ لو۔ کہ اگر ہندوستان میں یہ قانون پاس کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعض میونسپل کمیٹیاں اب قریب قریب ایسا کر بھی رہی ہیں۔ کہ گائے ذبح نہ کی جائے۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ ہندوؤں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی۔ اس لئے انصاف کے مطابق ہے۔ اس قانون کے متعلق یہ نہیں دیکھا جائیگا۔ کہ قانون برابر ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائیگا۔ کہ اس قانون کا مضر اثر کس پر پڑتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہندو تو خود ہی گائے نہیں ذبح کرتا۔ پس گو اس قانون میں ہندو مسلمان کو برابر رکھا جائے۔ مگر اس کا اثر صرف مسلمانوں پر پڑیگا۔ یا مثلاً اگر پنجاب کی آئندہ حکومت یہ قانون پاس کر دے کہ زمین سب گورنمنٹ کی ہوگی۔ یا سندھ میں ایسا قانون بن جائے تو گو اس کا کچھ اثر ہندوؤں پر بھی پڑیگا۔ لیکن زیادہ تر اس کا اثر مسلمانوں پر ہی پڑیگا۔ اور انہیں کو نقصان پہونچیگا۔ یا مثلاً تجارت پر اگر زیادہ ٹیکس لگا دیا جائے۔ جس سے تجارت کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ تو کوئی یہ کہیگا۔ کہ اس کا اثر مسلمانوں پر بھی برابر پڑتا ہے۔ ہر عقلمند سمجھ لیگا کہ اس قانون کا اصل مقصد ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ جب یکساں قواعد بن جائیں۔ تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک ایسی گھر میں جس میں بچے بھی ہوں۔ اور بڑے بھی۔ اگر ایسی غذا پکا دی جائے۔ جسے صرف بڑے کھا سکیں۔ اور کہا یہ جائے کہ انصاف کر دیا گیا ہے تو کوئی شخص تسلیم نہیں کریگا۔ کہ انصاف کر دیا گیا ہے۔ یا ایک میلے میں جہاں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہو اگر کوئی شخص ایک چھوٹے بچے کو چلانے لگے کہ سب میں برابری چاہیئے۔ تو کوئی تسلیم نہیں کریگا۔ کہ انصاف ہو گیا ہے۔ انصاف اور برابری تبھی ہوگی۔ کہ جب اس بچے کی طاقت کے مطابق انتظام کیا جائے۔ اسے گودی میں اٹھا کر چلو۔ پھر انصاف قائم ہوگا۔ اور بچوں کے لئے ان کی عمر کے مطابق غذا تیار کرو۔ پھر انصاف قائم ہوگا۔

عقلاً اس امر کو ثابت کر چکنے کے بعد کہ ایک قسم کا قانون ضروری نہیں۔ کہ انصاف کے مطابق بھی ہو۔ بلکہ بہت دفعہ اس سے بے انصافی پیدا ہوتی ہے۔ میں اب یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ صرف خیال ہی نہیں ہے۔ بلکہ عملاً دنیا میں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ بظاہر ایک سا قانون بنا کر بعض اقوام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ایسٹ افریقہ کے داخلہ کے متعلق جب قواعد بنائے گئے ہیں۔ تو اسی وقت سارے ہندوستان میں شور پڑ گیا تھا کہ گو بظاہر یہ قانون سب کے لئے یکساں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو نقصان پہونچے۔ اسی طرح زیکوسلویکا کی نئی حکومت میں یہ قانون پاس کیا گیا تھا۔ کہ جس کے پاس پانچ سو ایکڑ سے زیادہ زمین ہو ضبط کی جائے۔ اور دوسرے لوگوں کو دیدی جائے۔ اب بظاہر یہ قانون نہایت انصاف پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل غرض اس کی یہ تھی کہ جرمن لوگ جو جنگ سے پہلے یہاں کے بڑے بڑے زمیندار تھے انہیں نقصان پہنچایا جائے۔ زِک لوگ زیادہ تر خانہ دار تھے۔ پس اس قانون سے زکس کو بہت کم نقصان کا احتمال تھا۔ حالانکہ بظاہر قانون منصفانہ تھا۔ چنانچہ اس پر جرمنوں نے بہت کچھ شور مچایا۔ مگر ان کی حکومت نے سنی نہیں۔ یہی جواب دیتی رہی۔ کہ ہم نے انصاف کا قانون بنایا ہے۔ جیسا تم کو اس قانون سے نقصان ہے۔ ویسا ہی اور قوموں کو۔ (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز مصنفہ ایل پی میئر ایم۔ اے صفحہ ۴۲) اسی طرح رومانیا نے ٹرنسلوینیا کے صوبہ میں کیا جس میں کہ مگیار قوم کی زمینیں زیادہ تھیں۔ (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۴۲)

پس تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے۔ کہ ایک قانون سب کے لئے یکساں بنایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ کسی خاص قوم کو اس سے نقصان پہونچ جائے۔ یا یہ کہ وہ اپنا حق نہ لے سکے۔

میری اس رائے سے ایل۔ پی میئر کی رائے بھی متفق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اقلیتوں پر ظلم ایک خام اور ناقص طریق سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ قتل اور ملک سے نکال دینے کے طریق ہیں۔ لیکن یہی بات زیادہ عمدہ طریقوں سے بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ جن میں سے (اکثریتوں میں) زیادہ مقبول مادری زبان کے آزادانہ استعمال سے روک دینے کا طریق ہے۔ تعلیم کے قوانین تجارت کے قوانین اور انصاف کے قائم کرنے کے قوانین اس مقصد کو پورا کرنے کے بڑے کھلے کھلے ذرائع ہیں۔" صفحہ ۴۲

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اکثریتیں اقلیتوں پر چند بانہ طور پر ظلم کرتی ہیں۔ اور ایسے قوانین بنا کر نقصان پہنچاتی ہیں۔ جو بظاہر یکساں ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا نتیجہ صرف ایک قوم کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

پس ہندوستان کا قانون اساسی بناتے وقت صرف یہ دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ کہ قوانین ہندو مسلمانوں کیلئے برابر ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوگا۔ کہ ان قوانین کا ہندوؤں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور مسلمانوں پر کیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بظاہر برابر نظر آنے والے قوانین باطن میں مسلمانوں کے لئے مضر ہیں۔ خواہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو ان سے کوئی نقصان پہونچتا ہے۔ خواہ اس لحاظ سے کہ ان کی وجہ سے مسلمان اپنے جائز حقوق کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تو ان کا بدلنا ضروری ہوگا۔

صرف صحیح قانون بنا دینا قیام انصاف کیلئے کافی نہیں

دوسرا پہلو اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اگر ایسا قانون بنا دیا جائے کہ جس میں ہر قوم کی ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔ تو کیا یہ کافی نہ ہوگا۔ اور کیا اس سے انصاف قائم نہ ہو جائیگا۔ میرا جواب اس سوال کے متعلق بھی یہی ہے۔ کہ ہرگز نہیں۔ کوئی قوم صرف با انصاف قوانین کے پاس ہو جانے سے محفوظ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے لئے دو اور باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱) اس انتظام کی کہ اس قانون پر عمل کرتے وقت بھی اس امر کی نگرانی ضروری ہوگی کہ اس قانون پر اس کے منشاء کے مطابق عمل کیا جاتا ہے یا نہیں؟ بہتر سے بہتر قانون پر اگر عمل نہ کیا جائے تو اس سے کیا فائدہ ایک ڈاکٹر ہسپتال میں کونین کے ڈبے رکھ چھوڑے لیکن مریضوں کو نہ دے۔ تو انہیں کیا نفع ہوگا۔ قانون اپنی ذات میں کچھ بھی چیز نہیں۔ عمدہ قانون کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح استعمال بھی کیا جائے۔ قانون کا صحیح نتیجہ اس کے صحیح استعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اگر اقلیتوں کے

حقوق کی حفاظت قانون کے ذریعہ سے ہو بھی جائے۔ لیکن اس کے صحیح استعمال کا علاج نہ ہو۔ تو بھی اقلیتوں کو امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز میں اقلیتوں کی حفاظت کے سوال میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ خالی قانون نفع نہیں دے سکتا۔ اور اس امر کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ کہ اس قانون پر اس کے منشاء کے عین مطابق عمل بھی ہو۔ مثال کے طور پر استھونین گورنمنٹ کی گفت و شنید کو میں پیش کرتا ہوں۔ لیگ آف نیشنز نے اس حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا۔ کہ وہ اقلیتوں کی حفاظت کا لیگ کو یقین دلائے۔ لیکن اس نے اول اول انکار کیا۔ اور جواب دیا کہ اگر ہمارے ملک میں اقلیتوں کی حفاظت کا قانون توڑا گیا۔ تو اس وقت لیگ دخل دے سکتی ہے۔ لیکن لیگ کی طرف سے جو ایجنٹ اس تصفیہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اس جواب پر نوٹ لکھا کہ

"اس جواب سے لیگ کو اس وقت تک دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔ جب تک قانون نہ بدلا جائے۔ لیکن قانون بدلے بغیر اگر استھونین گورنمنٹ اقلیتوں کو دکھ دیتی رہے۔ تو اس کا علاج نہ ہو سکیگا"۔ (آفیشل جرنل آف دی لیگ آف نیشنز نومبر ۱۹۲۳ء)

لیگ نے اس نوٹ کی صحت کو تسلیم کیا اور استھونین گورنمنٹ کے جواب کو یہ کہکر رد کر دیا کہ تمہارے اس جواب سے اقلیتوں کی حفاظت نہیں ہوتی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے سب عقلمند تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ صرف قوانین کی صحت کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں۔ کہ قوانین کے منشاء کے مطابق عمل بھی ہو۔ راجپال کا کیس موجود ہے۔ اس وقت وہ سب اخبار جو اس وقت نہرو کمیٹی کی تائید میں ہیں۔ یہ لکھ رہے تھے۔ کہ قانون کے منشاء کے مطابق عمل نہیں ہوا۔ پس یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے اور اس کا بند کرنا ضروری ہے۔

۲۔ دوسرے اس انتظام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ آئندہ کے لئے اس قانون کو محفوظ کر دیا جائے۔ کیونکہ اکثریت کے لئے یہ بالکل آسان ہے۔ کہ وہ پہلے تو اقلیت کو تسلی دلا دے۔ اور ان کی مرضی کے مطابق قانون بنا دے۔ لیکن بعد میں جب حکومت مل جائے۔ تو پھر اس قانون کو بدل دے۔ کیونکہ جس طرح قانون بنانا اس کے اختیار میں ہے اس کا بدلنا بھی اس کے اختیار میں ہے :-

میں دیکھتا ہوں۔ کہ یورپ کی نئی حکومتوں میں جو جنگ کے بعد قائم ہوئی ہیں۔ اقلیتوں کی حفاظت کے لئے دونوں امور کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس امر کا بھی کہ قانون کا صحیح استعمال ہو۔ اور اس امر کا بھی کہ قانون کو بدلا نہ جا سکے۔ امر اول کا انتظام ایک تو یہ کیا گیا ہے۔ کہ لیگ آف نیشنز کو حق دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایسے امور کی اپیل سن سکے۔ جو قلیل التعداد جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگر قلیل التعداد جماعتوں کی طرف سے کوئی شکایت پہنچے تو لیگ کمیشن مقرر کر کے دیکھ لیتی ہے۔ کہ آیا وہ شکایت صحیح ہے یا غلط اور اس طرح قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا انتظام یہ کیا گیا ہے۔ کہ قلیل التعداد جماعتوں کو گورنمنٹ میں ایسا دخل دیا گیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے حقوق کی خود نگرانی کر سکتی ہیں۔ مثلاً زیکوسلویکا میں روتھینئین قوم جو روسی قوم کی ایک شاخ ہے چونکہ ایک علیحدہ تہذیب اور علیحدہ زبان اور علیحدہ مذہب رکھتی ہے۔ اس قوم کو روتھینیا کے علاقہ میں کامل خود اختیاری حکومت دیدی گئی ہے۔ گو خارجی معاملات میں اور عام قوانین میں وہ زیکوسلویکا کے ماتحت ہے۔ یہ انتظام تو اس وجہ سے ہے۔ کہ ایک صوبہ میں روتھینین قوم کی کثرت ہے۔ لیکن جن ملکوں میں قلیل التعداد آبادیاں پھیلی ہوئی ہیں اور کسی صوبہ میں بھی ان کی کثرت نہیں ہے۔ وہاں ان کے حقوق کی مزید حفاظت اس طرح کی گئی ہے۔ کہ ان کی قوم کی زبان اور ان کے مذہب اور تمدن کی حفاظت کیلئے یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے۔ کہ گورنمنٹ خود اسی قوم کی کمیٹیوں کو روپیہ دیدے۔ اور وہ اپنی نگرانی میں اپنے سکولوں اور اپنی مذہبی سوسائیٹوں کا انتظام کریں۔ دوسرا انتظام یہ کیا گیا ہے۔ کہ قومی تعداد کے لحاظ سے ملازمتوں کو اقلیتوں کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اقلیتوں کا ایک معقول عنصر گورنمنٹ میں موجود رہتا ہے۔ جو یہ دیکھتا رہتا ہے۔ کہ ان کے بھائیوں کے حقوق نہ مارے جائیں۔ اس امر کا انتظام کہ قانون بدلا نہ جا سکے۔ اس طرح کیا گیا ہے۔ کہ اقلیتوں کے متعلق جو قانون ہے۔ اس کے لئے یہ شرط کر دی گئی ہے۔ کہ لیگ آف نیشنز کی اجازت کے بغیر کوئی گورنمنٹ اس قانون کو نہیں بدل سکتی۔ پس خواہ کسی گورنمنٹ کی اکثریت اس قانون کو بدلنا بھی چاہے۔ تو بھی وہ اپنے قانون اساسی یا اپنی بین الاقوامی ذمہ داری کے سبب سے اسے بدلنے پر قادر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ اس قانون کو زور سے توڑنا چاہے۔ تو دوسری حکومتیں اس کی ذمہ دار ہیں کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔ (دی پروٹیکشن آف مائناریٹیز)

نہرو رپورٹ میں اقلیتوں کی کوئی حفاظت نہیں کی گئی

اب اس کے مقابلہ میں دیکھا جائے۔ کہ نہرو کمیٹی نے اقلیتوں کی حفاظت کی کیا تدبیر کی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق نہ تو مسلمانوں کو ان صوبوں میں جن میں ان کی اکثریت ہے۔ خود اختیاری حکومت دی گئی ہے۔ جس طرح کہ روتھینیا میں لٹل رشئینز کو دی گئی ہے نہ ان صوبوں میں جنمیں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اس امر کا انتظام کیا گیا ہے۔ کہ تعلیم اور مذہب اور تمدن کے اصول کا حصہ کرنا مسلمانوں کی کمیٹیوں کے قبضہ میں رکھا جائے۔ نہ اس امر کا انتظام کیا گیا ہے۔ کہ ان صوبوں کو جہاں آج کل مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ آئندہ ایسی شکل میں نہ بدلا جائے گا۔ کہ مسلمان تھوڑے رہ جائیں اور نہ پھر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ جو مطالبات مسلمانوں کے آج ناقص طور پر منظور ہوئے ہیں۔ کم سے کم وہی آئندہ محفوظ رہینگے۔ بلکہ قانون اساسی کو بدلنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ دو تہائی ممبروں کی رائے سے قانون اساسی بدلا جا سکتا ہے۔ (رپورٹ صفحہ ۱۲۳) اور قانون اساسی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو پچیس فیصدی ممبریاں ملیں گی۔ (رپورٹ صفحہ ۵۹)

پس اس کے یہ معنے ہوئے کہ گو مسلمانوں میں سے ایک بھی رائے ہندو حاصل نہ کر سکیں۔ بلکہ پانچ چھ فیصدی تک ہندو ممبر بھی اگر ہندوؤں کے مخالف ہو جائیں۔ تب بھی وہ جس وقت چاہیں ان حقوق کو جنہیں وہ اس وقت دے رہے ہیں۔ واپس لے سکتے ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ہندوؤں کیلئے دو تہائی ووٹ جمع کر لینا مشکل ہو گا۔ قانون اساسی کے بدلنے کے لئے پونے ستاسٹھ فیصدی ووٹوں کی ضرورت ہے۔ اور ہندو قوم کو نہرو رپورٹ کے مطابق پچھتر فیصدی ووٹ حاصل ہونگے۔ پھر ان کے لئے یہ بات کیا مشکل ہے۔ کہ جب چاہیں قانون اساسی کو بدل دیں۔ اور مسلمان منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں :-

میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ امر پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ چھوٹی اور بڑی اقلیت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اقلیت کے حقوق کے تلف ہونے کا احتمال ہو تو اقلیت بڑی ہو یا چھوٹی اسے حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور میں وہ امور بھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ جن کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ اکثریت اقلیت کو دکھ دیا کرتی ہے۔ اور پھر میں نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ خالی قوانین بھی کافی نہیں ہوتے۔ بلکہ دو باتوں کا انتظام کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ اول یہ کہ قوانین پر صحیح طور پر عمل ہو اور اس کے ذرائع میں سے ایک بڑا کارآمد ذریعہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جس جگہ اقلیت کی کثرت ہو۔ اس میں اسے خود مختار حکومت دی جائے۔ اور جس جگہ کثرت نہ ہو۔ وہاں کم سے کم ایک تو اپیل کا حق کھلا رکھا جائے۔ دوسرے اس امر کا خیال رکھا جائے کہ اقلیت کے خاص معاملات اس کی اپنی کمیٹیوں کے ذریعہ سے طے پائیں۔ اور ملازمتوں میں کم سے کم اس کے حق کے مطابق اسے نیابت حاصل ہو۔ اور دوسرا انتظام یہ کیا جائے۔ کہ قانون اساسی کا وہ حصہ جو اقلیت کے حقوق سے تعلق رکھتا ہو وہ اس وقت تک نہ بدل سکے جب تک کہ خاص شرائط کے ماتحت خود اقلیت ہی اس کے بدلنے پر راضی نہ ہو :-

مسلمانوں کے مطالبات اور نہرو کمیٹی کی رپورٹ پر تفصیلی نظر

جو کچھ میں اس وقت تک لکھ چکا ہوں۔ میرے نزدیک ایک سیاست سے واقف شخص کے لئے کافی ہے۔ اور وہ اس کی روشنی میں سمجھ سکتا ہے۔ کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ ملک کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی۔ اور اس کے تسلیم کر لینے میں مسلمانوں کو سخت نقصان ہے۔ لیکن چونکہ عام طور پر لوگ سیاسی امور سے واقف نہیں۔ نہ انہیں اس قدر دلچسپی ہوتی ہے کہ وقت خرچ کر کے اصول کو فروع پر چسپاں کریں۔ اس لئے میں مسلمانوں کے مطالبات اور نہرو رپورٹ پر ایک تفصیلی نظر بھی ڈالنی ضروری سمجھتا ہوں :-

مسلمانوں کے مطالبات

میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے مطالبات مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل اصول پر ہو۔ یعنی صوبہ جات سے مرکزی حکومت کو اختیار ملیں۔ نہ کہ مرکزی حکومت سے صوبہ جات کو۔ اور سوائے ان امور کے جن میں مشترکہ حکومت کا کام چلانے کے لئے صوبہ جات اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو دیں۔ باقی سب اختیارات صوبہ جات کے پاس رہیں ÷

۲- صوبہ سرحدی کو ویسی ہی بااختیار حکومت دی جائے جیسی کہ اور صوبوں کو اور سندھ اور بلوچستان کو آزاد کر کے انھیں بھی ویسی ہی آزاد حکومت دی جائے ÷

۳- ہر قوم کو اس کی تعداد کے مطابق حق نیابت مقامی مجالس میں دیا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کسی قوم کی تعداد دوسری قوم کے مقابل پر بہت تھوڑی ہو۔ اس صورت میں اس کی اصل تعداد سے کسی قدر زائد حق اسے دیدیا جائے ÷

۴- مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو ان کے موجودہ حق سے کسی صورت میں کم نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک ثلث نیابت کا حق انھیں دیا جائے ÷

۵- انتخاب کا طریق قومی ہو۔ یعنی ہر ایک قوم اپنے نمائندے خود چنے۔ اور بعض کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ اگر اوپر کے چار مطالبات کو پورا کر دیا جائے۔ تو ان پر عملدرآمد ہونے کے بعد مخلوط انتخاب محفوظ نشستوں کے ساتھ جاری کیا جا سکتا ہے ÷

۶- مذہب مذہب کی تبلیغ یا مذہب کی تبدیلی میں حکومت کسی قسم کا دخل نہ دے۔ اور مذہب یا تمدن و تہذیب کے متعلق کوئی ایسا قانون پاس نہ کر سکے۔ جس کا اثر کسی خاص مذہب کے لوگوں پر ہی کلی طور پر یا زیادہ طور پر پڑتا ہو ÷

ان مطالبات کے صحیح عملدرآمد کو دیکھنے کے لئے یہ بھی مطالبات مسلمانوں کی طرف سے تھے۔ کہ

الف۔ مختلف اقوام کو ان کی تعداد کے مطابق ملازمتوں میں حصّہ دیا جائے ÷

با ۶۔ قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ایسے قوانین بنا دئے جائیں۔ کہ قلیل التعداد کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو فیصلہ ہو۔ اُسے بغیر قلیل التعداد جماعتوں کی مرضی کے تبدیل نہ کیا جا سکے ÷

زیکوسلوویکا کا قانون اساسی مطالعہ کرنے کے بعد اور یہ دیکھکر کہ وہاں کے حالات بہت کچھ ہندوستان سے ملتے ہیں۔ اور پھر پچھلے چند ہفتوں کی ہندوؤں کی کشمکش کو دیکھکر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ایک یہ قاعدہ بھی ہونا چاہئے کہ کسی صوبہ کی حدود کو تبدیل کرنے کا حق مرکزی صوبہ کو نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا فیصلہ خود اس صوبہ سے ہی تعلق رکھیگا

ان مطالبات کے گنوانے کے بعد میں ایک ایک مطالبہ کو الگ الگ لیکر اس امر پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آیا یہ مطالبات اول جائز ہیں۔ یا نہیں۔ دوم ضروری ہیں یا نہیں۔ کیونکہ حقوق کے فیصلہ کے وقت یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اول وہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ جو مطالبہ جائز ہی نہیں۔ اس کا پیش کرنا ہی غلط ہے کسی کا حق نہیں۔ کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے دوسرے کو اس کا حق چھوڑنے پر مجبور کرے۔ دوسرے یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ آیا وہ مطالبہ ضروری ہے۔ یا نہیں۔ کیونکہ جب تک یہ فیصلہ نہ کر لیا جائے۔ کہ مدعی کو اس کا مطالبہ دینے میں مدعا علیہ کا کیا نقصان ہے اور نہ دینے میں مدعی کا کیا نقصان ہے۔ اس وقت تک صحیح نتیجہ پر پہونچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسے شخص سے قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ قربانی مہلک ہوتی ہے۔ اور اس شخص کو فائدہ پہونچا دیا جاتا ہے۔ جو آگے ہی بہت کچھ لے چکا ہوتا ہے ÷

مسلمانوں کو خاص حفاظت کی ضرورت

میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان اصول کے ماتحت پہلے ہمیں اس سوال پر اصولی غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیا ہندوستان کی موجودہ حالت اس قسم کی ہے۔ کہ مسلمانوں کو کسی خاص حفاظت کی ضرورت ہو۔ اور انہیں ایک علیحدہ اقلیت کی صورت میں رہنے دینا ناگزیر ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ مسلمانوں میں سے تو ہر ایک شخص اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ان کو اس وقت خاص حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں پہلے بتا آیا ہوں۔ کہ ان وجوہ میں سے جو کبھی اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے پر مائل کرتے ہوں۔ بڑے بڑے وجوہ چھ ہیں۔ پس ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا وُہ وجُوہ اس وقت پائے جاتے ہیں۔ یا نہیں ÷

پہلی وجہ

اول وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ اقلیت اس ملک میں پہلے حاکم رہ چکی ہو۔ اور یا تو عملاً ظلم کر چکی ہو۔ یا اکثریت کو یہ دھوکا لگ گیا ہو۔ یا دھوکا دیا گیا ہو۔ کہ اقلیت اپنے زمانۂ اقتدار میں اس پر ظلم کرتی رہی ہے۔ ایسی صورت میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثریت اپنے برسر اقتدار ہونے پر حقیقی یا خیالی مظالم کا بدلہ اقلیت سے لیتی ہے۔ چنانچہ قدیم تاریخ کی مثالوں میں سے بدھوں کی مثال موجود ہے۔ کہ انہیں ہندوؤں نے بالکل تباہ کر دیا۔ سپین کے مسلمانوں کی مثال موجود ہے۔ کہ انہیں مسیحیوں نے تباہ کر دیا۔ زمانہ حاضرہ میں دوسرے ممالک کی مثالوں میں سے یونان۔ سرویا۔ رومانیہ اور بلغاریہ کی مثال موجود ہے۔ کہ ان علاقوں میں ترکوں پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً سخت سے سخت ظلم ہوتے رہے ہیں۔ محض اس وہم کی بنا پر کہ ترک اپنے زمانۂ اقتدار میں ان کے آباؤ اجداد سے ظلم کرتے رہے ہیں۔ پولینڈ میں جرمنوں سے بدسلوکی ہو رہی ہے۔ کیونکہ ایک حصہ پولینڈ کا جرمنی کے ماتحت تھا۔ زیکوسلویکا میں جرمن زمینداروں سے اسی وجہ سے سختی ہو رہی ہے۔ رومانیہ میں مگیار قوم سے یوگوسلیویا میں آسٹرینز اور مگیار سے اٹلی میں آسٹرینز سے ظلم ہو رہا ہے ÷

یہ مثالیں ہمارے سامنے موجُود ہیں۔ اور ہمیں بتا رہی ہیں۔ کہ حقیقی یا وہمی ظلموں کی بنا پر ایک قوم دوسری قوم کو تباہ کیا کرتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی ذہنی حالت ہندوؤں کی بھی ہے۔ اول تو انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے مسلمان بادشاہوں کو تاریخ میں نہایت خطرناک صورت میں پیش کیا ہے۔ تا کہ لوگ ان کی یاد کو بھول کر انگریزی حکومت سے وابستہ ہو جائیں۔ دوسرے اب تمام ہندو اپنی قومیت کو مضبوط کرنے کے لئے پورے زور سے شاذ و نادر صحیح لیکن اکثر جھوٹے اور مفتریانہ الزامات مسلمان بادشاہوں پر لگا رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ یقین دلاتے ہیں۔ کہ ان کے مذہب۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدن اور ان کی علمی ترقی کو مسلمانوں نے آ کر بالکل تباہ کر دیا ہے اگر وُہ نہ آتے۔ تو آج ہندو نہ معلوم کیا سے کیا ہوتے۔ بہت سے ہندو مردوں اور ہندو عورتوں کے سینے آج مسلمانوں کے وہمی مظالم کے خلاف غیظ و غضب کی آگ سے جل رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کا واحد ذمہ وار مسلمانوں کو سمجھتے ہیں۔ وُہ ان کی تباہی پر اپنی قومی ترقی کی بنیاد رکھنا بالکل جائز خیال کرتے ہیں۔ اس تعصب کی حالت جہاں تک پہونچ گئی ہے۔ اس کا کسی قدر نقشہ اس مثال سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ کہ میرے ایک رشتہ دار نے ایک استانی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے رکھی ہے۔ وہ مذہباً مسیحی ہے۔ لیکن نسلاً ہندو ہے۔ اور میسور کی رہنے والی ہے۔ اس کا یہ حال ہے۔ کہ تاریخ میں اگر کسی جگہ کسی مسلمان بادشاہ کا ذکر آ جائے تو وُہ ان صفحوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ اور جب بچے زور دیتے ہیں۔ تو یہ جواب دیتی ہے۔ کہ میں خوب جانتی ہوں کہ پہلے کونسا حصّہ کتاب کا پڑھانا چاہیئے۔ اور بعد میں کونسا۔ یہ حالت ایک عورت کی ہے۔ اور ایسی عورت کی جو خوب تعلیم یافتہ ہے۔ اور کئی دفعہ ولایت ہو آئی ہے اسی پر قیاس ہندو قوم کے بہت سے افراد کا کیا جا سکتا ہے۔ یہ جوش و خروش ہندو قوم کا مردہ بادشاہوں کے خلاف کیوں ہے؟ کیا اپنی قوم کو بیدار کرنے کے لئے نہیں؟ اور اس ذریعہ سے جو بیداری پیدا ہوگی۔ کیا مسلمان اس کے نتائج سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں یقیناً نہیں۔ اور اس وجہ سے وہ حق بجانب ہیں کہ ایسے قوانین کا مطالبہ کریں۔ جن سے ان کی قومی زندگی تباہی سے بچ جائے۔ اور اس کی ذمہ واری ایک حد تک انگریزوں پر اور ان سے زیادہ خود ہندوؤں پر ہے ÷

دُوسری وجہ

دُوسری بات جس کی وجہ سے اکثریت اقلیت کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ اقلیت اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی وجہ سے اکثریت سے اعلےٰ ہو۔ ایسی صورت میں اکثریت چونکہ اقلیت سے خائف ہوتی ہے۔ وہ اسے نقصان پہونچانا چاہتی ہے۔ ہندو مسلمان سوال میں یہ صورت بھی پیدا ہے ÷

مجھے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ یہ حالت کیوں پیدا ہے۔ لیکن اس امر میں کوئی شک نہیں۔ کہ تہذیب اور تمدن کے اصول کے لحاظ سے مسلمانوں کو ہندوؤں پر برتری حاصل ہے۔ ان میں چھوت چھات نہیں ہے۔ ان میں ایک حد تک قومی مساوات ہے۔ ان میں شادی بیاہ کی رسومات ہندوؤں کی نسبت بہت کم ہیں۔ بیوہ کی شادی کا دستور ابھی بہت حد تک باقی ہے۔ غرض ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی بنیاد ہندوؤں سے بالکل الگ اصول پر ہے۔ اور ہندو سمجھتے ہیں۔ کہ نہ تو اس تہذیب اور تمدن کو ہم کچل سکتے ہیں۔ اور نہ اس کی موجودگی میں ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ترقی کر سکتے ہیں۔ پس اس حالت میں خوف ہے کہ وہ اسلامی تہذیب اور تمدن کی آزاد نشوونما کے راستہ میں روک ڈالیں گے۔

تیسری وجہ

تیسرا سبب جو اکثریت کو اقلیت پر ظلم کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ اقلیت دائمی اقلیت ہو۔ یعنی اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے۔ جو اسے اپنی جگہ تبدیل کرنے سے مانع ہو۔ اس صورت میں اکثریت یہ خیال کرتی ہے۔ کہ چونکہ اس اقلیت کو ہم جذب نہیں کر سکتے۔ آؤ اسے ہم مٹا دیں۔ یہ وجہ بھی اس وقت موجود ہے۔ اسلام ایک ایسا ممتاز مذہب ہے جس نے سیاست تمدن اخلاق اور معاملات کے لئے ایک ممتاز اور مستقل دستور العمل پیش کیا ہے۔ پس مسلمان دوسری اقوام کی طرح ان مسائل کے متعلق جن پر اسلام نے روشنی ڈالی ہے۔ سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ دوسرے کا رنگ قبول کر سکتا ہے۔ عام طور پر اکثریتوں کو جب یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ اقلیت کو اس کی جگہ پر باندھ رکھنے والی کوئی چیز نہیں۔ تو وہ امید کرتی ہے۔ کہ کچھ عرصہ میں یا تو اقلیت ہم میں جذب ہو جائیگی۔ یا پھر کھوئی جائیگی۔ یعنی بعض باتیں اپنی چھوڑ دیگی۔ اور بعض ہماری مان لیگی۔ جیسا کہ مثلاً پرانے زمانہ میں ہندوستان میں ہوا کہ باہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے دیوتاؤں کو قبول کر لیا۔ اور ہندوؤں نے ان کے بعض معبودوں کو قبول کر لیا۔ اسی طرح باہر سے آنے والی اقوام نے ہندوؤں کے سب سے بڑے تمدنی دستور یعنی قومیت کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ اور چاروں ورنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ اسلام کی موجودگی میں مسلمان ایسا نہیں کر سکتے۔ پس ہندو یقین رکھتے ہیں۔ کہ جب تک اسلام ہے۔ اس وقت تک تمدن اور تہذیب میں مسلمانوں کا ہمارا نباہ تسلیم کرنا ناممکن ہے۔ پس لازماً وہ یہ کوشش کریں گے اور اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یا ہندوستان سے نکال دیں۔ یا اپنے ساتھ شامل کر لیں۔

چوتھی وجہ

چوتھی چیز جو اکثریت کو اقلیت کا دشمن بنا دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اقلیت میں کوئی بڑھنے والی طاقت موجود ہو۔ اور اکثریت کو یہ خطرہ ہو۔ کہ کسی وقت وہ اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے وہ اقلیت کو ظالمانہ قوانین سے مٹانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ اسلام ایک زبردست تبلیغی مذہب ہے۔ وہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی اپنی تعداد بڑھاتا رہا ہے۔ پچھلی مردم شماریاں اس امر پر شاہد ہیں۔ کہ اسلام نہ صرف نسلاً بلکہ تبلیغی طور پر بھی بڑھ رہا ہے۔ پس یہ بات ہر اک عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ ہندو قوم اس حالت کو جاری نہیں رہنے دے سکتی۔ اسے اگر اختیارات مل جائیں۔ تو وہ پورا زور لگائیگی۔ کہ جس مقصد کو وہ مذہبی تبلیغ سے حاصل نہ کر سکے۔ وہ اسے جابرانہ قانون سے حاصل کرے۔ اور طاقت حاصل ہونے پر اس غرض کے لئے سینکڑوں تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ جو بظاہر منصفانہ بھی ہوں۔ اور ان سے یہ مقصد بھی پورا ہو جائے۔ پس مسلمانوں کے لئے خود حفاظتی ضروری ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہیں پڑتا کہ پارٹی سسٹم تو اکثریت اور اقلیت کے مقابلہ پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اور باوجود اس کے اکثریت اقلیت کو تباہ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اکثریت اور اقلیت تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ آج ایک اکثریت جو اقلیت ہے۔ کل وہ اقلیت ہو جاتی ہے۔ اور پھر اکثریت بن جاتی ہے۔ اس صورت میں چونکہ ہیر پھیر رہتا ہے۔ دشمنی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس اقلیت اور اکثریت کا سوال ہے۔ جو سیاسی مسائل پر مبنی نہیں۔ بلکہ مذہب پر اس کی بنا ہے۔ ایسی پارٹیوں میں روزانہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ ایک مذہب اگر زبردست ہے۔ تو اکثریت کو اقلیت بنا دینے کے بعد ہی ملک پر ہمیشہ کے لئے قابض ہو جائے۔

پانچویں وجہ

پانچواں سبب جس کے باعث اکثریت اقلیتوں پر ظلم کیا کرتی ہے۔ اقلیتوں کا غیر ملکی لوگوں سے تعلق ہے۔ اکثریت چاہتی ہے۔ کہ ملک کے سب لوگ اسی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اور ملک کے باہر کی کسی قوم پر دوستانہ نگہ نہ ڈالیں۔ لیکن اقلیت اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ملک کے باہر کی بعض اقوام سے بھی تعلق رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس حالت میں اکثریت ہمیشہ اس سے مشتبہ رہتی ہے۔ اور ڈرتی ہے۔ کہ کسی وقت غیر ملکیوں سے مل کر ہمیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ اور اس شبہ کی وجہ سے اقلیت کو نقصان پہنچانے پر تلی رہتی ہے۔ اس قسم کے واقعات دنیا میں کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یونانی حکومت میں بلغاریوں کے ساتھ اسی بنا پر ظلم ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح لیتھونیا میں پولز اور پولینڈ میں لیتھونینز کے ساتھ۔ یہ سبب بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ مسلمان اپنی مذہبی روایات کی بنا پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور شدت سے ان کی مصائب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہی حال باہر کے مسلمانوں کا ہے۔ گو ایک دوسرے کی مصیبت میں مدد نہ دیں لیکن ان سے متاثر ضرور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی ہمدردی کرتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہندوستان کی اکثریت ضرور ان سے مشتبہ رہیگی۔ اور ان کی ترقی کے راستہ میں روک بنیگی۔ یہ شبہ [illegible] بلکہ اب بھی ہندو عام طور پر شاکی نظر آتے ہیں۔ کہ مسلمان اپنے آپ کو پورے طور پر ہندوستانی نہیں سمجھتے۔ بلکہ غیر ملکیوں سے بہت راہ و رسم رکھتے ہیں۔ گو وہ اس وقت منہ سے نہیں کہتے۔ لیکن ان کے دل میں یہ سوال ضرور اٹھتا ہے۔ کہ کل کو اگر افغانستان ایران یا عرب سے ہندوستان کی جنگ چھڑی۔ تو مسلمان کیا کریں گے۔ کیا یہ سرحد پار کے مسلمان بھائیوں کی تائید نہیں کریں گے۔ اگر ایسا کریں گے۔ تو یقیناً ہندوستان کی حکومت میں ہمیشہ ایک کمزور عنصر موجود رہیگا۔ اب یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کہ ایسا موقع پیش آئے تو مسلمان کیا کریں گے لیکن یہ شبہ جس کا اظہار کئی دفعہ ہندو لیڈر کر چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں ضرور کھٹکتا رہیگا۔ اور اس کی بنا پر وہ مسلمانوں کی ترقی میں روڑا اٹکانے کو حب الوطنی کا ایک اعلیٰ فعل خیال کریں گے۔ میں اس سوال کے بارہ میں اس حد تک تو ہندوؤں سے متفق ہوں۔ کہ حب الوطنی کے جذبات کو انصاف کی حدود کے اندر بڑھانا ملکی حکومت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ کہ مسلمان اپنے اس وسیع جذبۂ محبت کو جو وہ کل دنیا کے مسلمانوں سے رکھتا ہے۔ کس طرح دور کر سکتا ہے۔ وہ صدیوں سے اسے ورثہ میں مل رہا ہے۔ اور درحقیقت وہ اب اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ اور پھر انصاف کی شرط جو حب الوطنی کے ساتھ میں نے لگائی ہے۔ اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کل کو ہندوستان عرب پر اوم کا جھنڈا کھڑا کرنے کی نیت کرے۔ جیسا کہ آریہ لیڈر کہہ چکے ہیں۔ تو یقیناً مسلمان اس وقت اپنی اعلیٰ ذمہ واریوں کو ملکی ذمہ داری پر قربان نہیں کر سکیگا۔

چھٹی وجہ

چھٹا سبب جو اکثریت کو اقلیت کے دبا دینے یا دبائے رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ ہے کہ اکثریت اقلیت کی گری ہوئی اقتصادی حالت سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ اور خیال کرتی ہو کہ اقلیت کی بیداری سے اسے نقصان پہونچیگا۔ پس وہ ہمیشہ کوشش کرتی ہے۔ کہ اقلیت غافل ہی رہے۔ یہ وجہ بھی اس وقت پیدا ہے جس طرح یورپ کی بہت سی دولت ایشیاء کی غفلت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی بہت سی دولت مسلمانوں سے براہ راست یا بالواسطہ آتی ہے۔ مسلمان تاجر نہیں۔ اس لئے سب تجارت کا نفع ہندو اٹھا رہے ہیں۔ مسلمان کارخانہ دار نہیں۔ اس لئے صنعت و حرفت کا نفع بھی ہندو ہی اٹھا رہے ہیں۔ مسلمان اعلیٰ پیشہ ور نہیں اس لئے اعلیٰ پیشوں کا فائدہ بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ جیسے مثلاً وکلا ڈاکٹر انجنیئر وغیرہ۔ مسلمان بینکر نہیں۔ پس بنک کے نفع کو بھی ہندو ہی حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمان ٹھیکیدار نہیں۔ پس ٹھیکیداری کے منافع بھی ہندوؤں کو ہی پہونچ رہے ہیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کم ہے۔ پس گورنمنٹ کے عہدے بھی ہندوؤں کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے ہیں پس یونیورسٹیوں سے بھی ہندو ہی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ غرض ہر اک اقتصادی میدان میں مسلمان ہندوؤں سے پیچھے ہیں اور انکے

نیچے رہ جائیگی وجہ سے ہندوؤں کو خاص نفع ہو رہا ہے۔ اب اس حالت میں ہندو خوب سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ترقی کی تو ہماری دولت کم ہو جائیگی۔ اور ایک حصہ دولت کا مسلمان لیجائیں گے۔ پس ان حالات میں کوئی عقلمند کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ کہ ہندو برضا و رغبت مسلمانوں کو آگے بڑھنے دینگے کیا مسلمان اپنی مقبوضہ چیزیں ہندوؤں کو بانٹ دیتے ہیں۔ کہ ان سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنی مقبوضہ چیزیں بخوشی مسلمانوں کو دیدیں۔ پس جب حالات یہ ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تو ہر ایک مسلمان کو یہ اندیشہ ہے اور بالکل جائز اندیشہ ہے کہ ہندو برسر اقتدار آنے پر پورا زور لگائینگے کہ مسلمان اپنی غفلت سے بیدار نہ ہوں۔ اور ضروری ہے کہ پہلے ہی ایسے قواعد بنائے جائیں کہ ہندو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں اور مسلمانوں کے لئے کام کے دروازے کھلے رہیں ۔

بعض لوگ اس موقع پر نادانی سے یا مسلمانوں کو غافل رکھنے کیلئے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ ترقی کے راستے بہت ہیں۔ ملک ابھی اور ترقی کریگا۔ پس مسلمانوں کی ترقی کے راستے مسدود نہیں ہیں۔ مگر یہ بات احمقانہ ہے۔ دنیا کی ترقی کے بہت سے راستے ہیں۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے۔ کہ یورپ کے لوگ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے راستے میں روکیں ڈالتے ہیں۔ اگر انگریز صناع کالے کوبل پر بیٹھے یہ برداشت نہیں کرسکتے۔ کہ ہندوستان صنعت و حرفت میں ترقی کرجائے کیونکہ ڈرتے ہیں کہ اس سے ہمارے مال کو نقصان پہونچیگا۔ تو ہندوستان کے ہندو تاجر کس طرح برداشت کرسکیں گے کہ مسلمان بھی اس میدان میں آگے نکلیں۔ اسی طرح گورنمنٹ عہدے محدود ہیں اور افسر ہندو قابض ہیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ جس قدر عنصر مسلمانوں کا گورنمنٹ کے عہدوں میں بڑھایا جائے اسی قدر عنصر ہندوؤں کا کم ہوگا۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مسلمانوں کو عہدے دینے کے لئے کوئی گورنمنٹ ملکی ہو یا غیر ملکی نئے عہدے نکالے۔ پس کیا یہ سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ ہندو بخوشی خود مسلمانوں کے لئے جگہیں خالی کردیں گے۔ اگر ایسا نہیں تو کیا یہ ضروری نہیں۔ کہ ابھی سے ایسے قوانین تجویز ہو جائیں۔ جن سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں ۔

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق واقعات کی شہادت

اس وقت تک تو میں نے اصولاً اس امر کی بحث کی تھی کہ ہندوستان میں ایسے حالات موجود ہیں۔ جن کی بناء پر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اب میں مختصراً واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ بھی ہمیں مجبور کررہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھا جائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان بھی اس امر کا انکار کریگا کہ ہندو مسلم تعلقات وہ نہیں جو ہونے چاہئیں یا یہ کہ تعصب دونوں اقوام میں کام نہیں کر رہا۔ گورنمنٹ کی ملازمتوں کو لیلو شروع سے لیکر آخر تک ہندو عنصر غالب ہے مسلمان اپنے جائز حقوق سے محروم کئے جارہے ہیں۔ جو شخص کسی نہ کسی سبب سے ملازمت میں آ بھی جاتا ہے تو ہندو عمداً اس کے نکالنے کے درپے رہتا ہے۔ چند دن ہوئے بنگال کے ایک مسلمان ممبر کونسل نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بات بیان کی تھی۔ کہ تعجب ہے کہ ایک مسلمان ملازم ایک ہندو افسر کے ماتحت اگر فوراً نالائق ہو جاتا ہے لیکن ایک انگریز افسر کے نیچے جاکر لائق بن جاتا ہے ہم پنجاب میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کرسکتے ہیں۔ کہ نہایت لائق مسلمان جن کی انگریز افسروں نے بے حد تعریف کی تھی۔ ہندو افسروں کے ماتحت آکر بالکل نالائق بن گئے۔ بعض ہندو مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کیلئے کہدیا کرتے ہیں کہ یہ انگریزوں کی چال ہے۔ وہ ہمیں آپس میں لڑاتے ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس کارروائی میں ہندوؤں کا فائدہ ہے یا انگریزوں کا اگر ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ ایسا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیا عقل اسے باور کرسکتی ہے کہ انگریز اس غرض کیلئے ہندوؤں کو ہی اپنا آلہ کار بناتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کو یہ سبق نہیں پڑھاتے۔ کہ ہندوؤں کو نالائق قرار دیکر نکالنے کی کوشش کرو۔ تیسرے کئی گورنمنٹ افسر بعد میں قومی لیڈر بن گئے ہیں کیا انہیں سے کوئی شخص یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ اسے انگریز کہا کرتے تھے۔ کہ تو ہندوؤں کو نالائق قرار دے۔ اور مسلمانوں کو نالائق بنا بنا کر نکالتا جا۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ مرض اس حد تک پہونچ گیا ہے۔ کہ اب بعض ہندو افسر برملا مسلمان امیدوار کو کہدیتے ہیں۔ کہ تم پر کوئی کیس کھڑا کر دوں۔ یا یونہی اپنی مرضی سے فلاں عہدہ سے دست برداری دیدو گے۔ میرے پاس ایسی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس کا علاج موجود نہیں ۔

یہی حال تعلیمی محکموں میں ہے۔ تعلیم کے دروازے مسلمانوں کیلئے بند کئے جارہے ہیں۔ مسلمان زیادہ فیل کئے جاتے ہیں۔ بعض فنون کے پروفیسر صاحبان کہدیتے ہیں۔ کہ ہم نے تمہیں پاس نہیں ہونے دینا۔ اور اول امتحان میں فیل کردیتے ہیں۔ گورنمنٹ وظیفہ لیتا لیتا طالب علم جسوقت آخری منزل پر پہونچتا ہے۔ اس کا کیریکٹر تباہ کردیا جاتا ہے مسلمان دوکانداروں سے ہندو سودا نہیں لیتے۔ اور کھانے پینے میں جو چھوت چھات ہے وہ تو ظاہر ہے ہی۔ سٹیجوں پر سے بھائی بھائی کا اعلان کرنا اور بات ہے۔ ان کروڑوں محنت کش خاندانوں میں جاکر دیکھو کہ کس طرح مسلمانوں کے گھروں میں ماتم ہو رہا ہے۔ ہندو بنیا زمیندار کا خون چوس رہا ہے۔ اس سے ہندو زمیندار کو بھی نقصان پہونچ رہا ہے۔ مگر چونکہ اس کی کوشش کا آخری نتیجہ مسلمانوں کی تباہی ہے۔ اس کے خلاف قانون پاس نہیں ہونے دیا جاتا۔ اور مسلمان کے ساتھ ہندو کو اس امید میں پیسا جاتا ہے۔ کہ اس کی حالت کو ہم بعد میں درست کرلیں گے۔ مسلمان اخبارات کے اشتہارات کے کالم دیکھو۔ ہندو اخبارات سے دوگنی اور تین گنی اشاعت ہے۔ مگر عدالتوں کے اشتہار اور دوسرے گورنمنٹ اشتہارات ان میں بہت کم نظر آئیں گے۔ لیکن ہندو اخبارات ذلیل سے ذلیل بھی ان اشتہارات سے بھرے ہوئے ہونگے۔ اور انہی اشتہارات کی بدولت چل رہے ہوں گے۔ اسلامی مسائل کونسل میں ایک نجاست کی طرح پھینکے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی ہر اک ضرورت مقدم کی جاتی ہے۔ آج ہی کا تار مظہر ہے۔ کہ سندھ کی علیحدگی کا سوال بمبئی کونسل میں پیش ہی نہیں ہونے دیا گیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند انسان بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو خود حفاظتی کی ضرورت نہیں۔ اور کیا ان حالات کی موجودگی میں کوئی مسلمان جو اپنے ہوش و حواس میں ہو اسلام کے فوائد کو بغیر معقول گارنٹی کے مہمل چھوڑ سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو آئندہ نسلیں اس پر لعنت کریں گی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایک مجرم کی حیثیت میں پیش کیا جائیگا ۔

"پیغام صلح" خود کیوں خموش ہے

غیر مبایعین کو انجمن احمدیہ کے متعلق قوی شبہات ہیں۔ کہ انہوں نے اراکین انجمن اشاعت اسلام کا کچا چٹھا والا مضمون لکھا۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس قسم کے اعلان کرا رہے ہیں۔ کہ انہوں نے وہ مضمون نہیں لکھا معلوم نہیں اس سے وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ "پیغام صلح" ۱۱ ستمبر یہ اعلان کرنے کے بعد کہ "مضمون نگار کا مفصل جواب آئندہ اشاعت سے شروع کیا جائیگا" خود اس بارہ میں تاحال قطعاً خموش ہے۔ پیغام صلح کو چاہیئے۔ اِدھر اُدھر کی غیر متعلق تحریریں شائع کرنے کی بجائے خود تفصیلی جواب پیش کرے جس کیلئے کئی بار ہم اسے موقعہ بھی دے چکے ہیں ۔

سیلاب زدگان کی امداد

193

الفضل کے کسی گذشتہ پرچہ میں حکومت پنجاب کو توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ جو لوگ دریائے جہلم۔ چناب۔ راوی کی طغیانیوں سے بہت بری طرح برباد ہوئے ہیں۔ ان کی معقول امداد کا انتظام کیا جائے۔ یہ امر موجب طمانیت ہے۔ کہ حکومت نے اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ سرکاری محکمہ اطلاعات پنجاب نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ حکومت نے آٹھ لاکھ روپیہ بطور تقاوی تقسیم کرنے کے لئے کمشنر صاحبان متعلقہ کے سپرد کیا ہے۔ اور صوبجاتی سرمایہ امداد قحط سے ایک لاکھ تیس ہزار کی رقم منظور کرنے کے علاوہ حکومت ہند کے پاس بھی ایک درخواست بھیجی ہے۔ کہ انڈین پیپلز فیمن ٹرسٹ فنڈ سے سیلاب زدگان پنجاب کی امداد کی جائے۔ نیز زمین کے لگان کی معافی و التوا کے بارہ میں بھی مناسب کارروائی کا وعدہ کیا ہے۔ چارہ کی درآمد کے لئے کرایہ میں رعایت کی گئی ہے۔ محکمہ صحت عامہ نے سیلاب زدہ علاقوں میں کونین تقسیم کرنے کا انتظام کیا ہے۔

بایں ہمہ حکومت پنجاب اس امر کی معترف ہے۔ کہ ان وسیع الاثر طغیانیوں سے جس ہولناک تباہی و بربادی کا سامنا لوگوں کو کرنا پڑا ہے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ امداد کافی نہیں کئی علاقوں میں آمد و رفت کے وسائل منقطع ہوجانے کے باعث ابھی تک نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکا۔ لیکن جہاں تک معلوم ہوسکا ہے۔ یہ ہے کہ سیلاب زدہ رقبہ میں تقریباً ۱۶۰۰۰ مکانات سات ہزار کے قریب مویشی پانچ ہزار من بھوسہ اڑھائی ہزار من غلہ نذر سیلاب ہوگیا ہے۔ اور پچیس ہزار ایکڑ زمین میں جو فصل خریف بوئی گئی تھی۔ وہ بھی تباہ ہوگئی ہے۔ اس پر مزید مصیبت یہ ہے کہ موسم سرما کا آغاز ہو رہا ہے۔ اور ان مصیبت زدہ لوگوں کے لئے مکانات اور پارچات کا کوئی انتظام نہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ریڈکراس سوسائیٹی کے زیر اہتمام ایک امدادی فنڈ جاری کیا گیا ہے۔ ذی استطاعت اصحاب کو چاہیئے۔ کہ ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے فراخدلی سے اس فنڈ میں چندہ دیں۔ جن لوگوں کو ان طغیانیوں سے نقصان پہنچا ہے۔ انہیں اپنے اضلاع کے ڈپٹی کمشنر صاحبان کی وساطت سے امداد کے لئے درخواست کرنی چاہیئے ۔